جلد ۹ - جولائی ۱۹۰۵ء نمبر ۱

ایڈیٹر
شیخ عبد القادر بی - اے

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

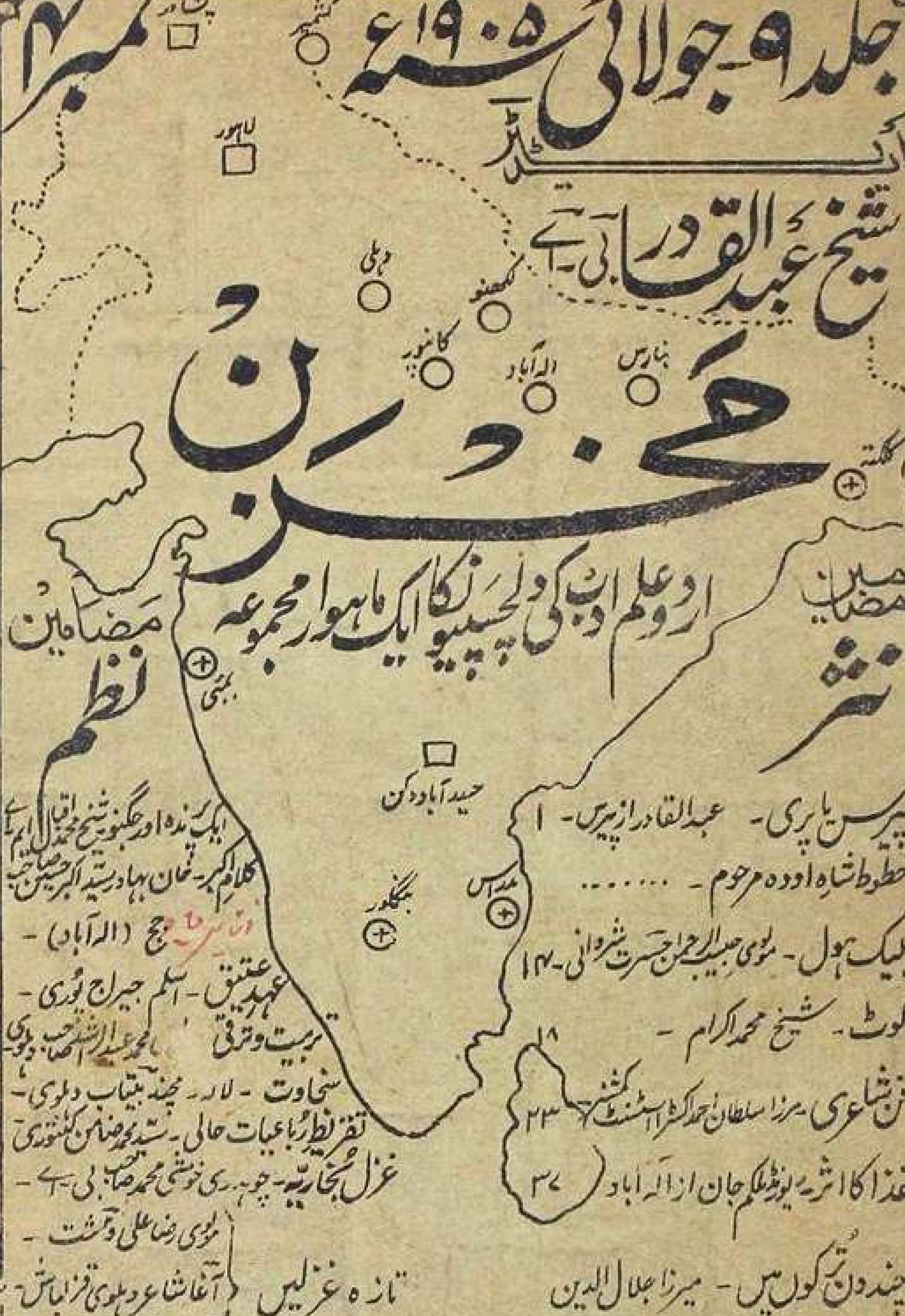

مضامین نثر

پیرس یا پری - عبد القادر از پیرس - ۱
خطوط شاہ اودہ مرحوم - ....
بلیک ہول - مولوی حبیب الرحمن حسرت شروانی - ۱۴
کوٹ - شیخ محمد اکرام - ۱۸
فن شاعری - مرزا سلطان احمد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ۲۳
غذا کا اثر - پنڈت علم جان از الہ آباد ۳۷
چند دن ترکوں میں - میرزا جلال الدین
ایم - آر - اے - ایس بیرسٹرایٹ لا ۴۶

مضامین نظم

ایک ندہ اور جگنو - شیخ محمد اقبال ایم - اے ۴۲
کلام اکبر - خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج (الہ آباد) - ۵۳
عہد عتیق - اسلم جیراج پوری - ۵۴
تربیت و ترقی - محمد عبد اللہ صاحب دہلوی - ۵۵
سخاوت - لالہ - چند بیتاب دہلوی - ۵۷
تقریظ رباعیات حالی - سید محمد ضامن کنتوری - ۶۰
غزل تجاریہ - چوہدری خوشی محمد صاحب بی - اے - ۶۲
تازہ غزلیں
مولوی رضا علی وحشت -
آغا شاعر دہلوی قزلباش - ۶۳
تبجا دعظیم آبادی -

نوکرور ہندوستانی اردو بولتے ہیں - اور اسی قدر ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے - □ ان شہروں میں اردو مروج ہے ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے -

شیخ محمد اکرام اسسٹنٹ ایڈیٹر نے
مطبع خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا

لاکھہ بیماریوں کی ایک دوا (عہ)

ایک روپیہ

یہ دوائی مفصلہ ذیل بیماریوں کا تیر بہدف علاج ہے :- (۱) گنٹھیا (۲) ہیضہ (۳) دست (۴) پیچش (۵) کھانسی
(۶) زکام (۷) جگر کی بیماریاں (۸) قولنج (بادسول) (۹) دمہ (۱۰) وجع العصب (۱۱) سرخ باد (۱۲) دماغی عصبی
(۱۳) سردی (۱۴) سوزشِ حلق (۱۵) نزلہ (۱۶) خسرہ (۱۷) دردِ دنداں (۱۸) تشنج (۱۹) دردِ سر (۲۰) زخم
(۲۱) موچ (۲۲) بخار (۲۳) جل جانا (۲۴) گلے کی بیماری (۲۵) موسمی دانے یا پھنسیاں (۲۶) گرانیٔ شکم
(۲۷) پشت کا درد (۲۸) موسمی بخار (۲۹) باری کا بخار (۳۰) کالی کھانسی (۳۱) دردِ کمر (۳۲) نقرس -
(۳۳) چوتھیہ بخار (۳۴) بچھو (۳۵) بھیڑ (۳۶) شہد کی مکھی (۳۷) کن کھجورا (۳۸) سانپ اور سب
قسم کے زہریلے کیڑوں اور جانوروں کے ڈنگ اور زخم (۳۹) سوزشِ دل (۴۰) چوٹ چپیٹ (۴۱) پسلی
کا درد (۴۲) اندرونی درد (۴۳) دردِ معدہ (۴۴) ببرپل فیور (۴۵) پیٹ درد -

یہ اندرونی اور بیرونی دونوں طرح پر استعمال کیجاتی ہے - جو شخص اس عجیب و غریب دوائی کو ہر قسم کے درد یا بیماری میں استعمال کرنے کے لئے ہمیشہ گھر میں موجود رکھتا ہے - وہ سینکڑوں روپیہ بچا لیتا ہے - جو کہ اسکو دوسری حالت میں ڈاکٹر یا حکیم کے نذر کرنے پڑیں - قیمت (عہ)

ہر قسم کے درد کا علاج

یہ دوائی ہر قسم کے درد کو خواہ سر میں ہو - دانت میں ہو - یا جسم کے کسی اور حصہ میں ہو - صرف بیرونی طور پر لگانے سے فوراً رفع کرتی ہے - یہ ایسی موثر دوائی ہے - کہ جو درد اس دوائی کے لگانے سے رفع نہ ہوگا - اس درد کو دنیا کی کوئی دوائی بیرونی طور پر لگانے سے اچھا نہ کرسکیگی - درد خواہ کتنی مدت کا کیوں نہ ہو - اچھا ہو جائیگا - قیمت (عہ)

المشتہر - مدن گوپال کمپنی - لاہور

مخزن

پیرس یا پری

دلربا شان ہے اِک پیرسِ خوش منظر میں
ہاں بجا کہتے ہیں جو اِس کو پری کہتے ہیں

تعطیل کا زمانہ تھا - اور سفر کے کرایہ میں رعایت - ایک عزیز کی روانگی ہندوستان طبعِ سیاحت پسند کے لئے بہانہ بن گئی - وہ مارسیلز کو جاتے تھے - ہم بھی پیرس تک ساتھ ہو لئے - پانچ دن کی مہلت تھی - اُسی پنج روزہ زندگی میں جو کچھ بن پڑا کیا - اور جو کچھ دیکھا جاسکا دیکھا - قیام جب ختم ہوا تو اور کئی پنج روزہ زندگیوں کی آرزو باقی تھی - باغِ دُنیا کی تماشائی کی حسرتوں کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا - اس کی حالت میں اور ہماری حالت میں فرق تھا تو صرف اتنا کہ اُسے وقتِ رحلت واپس نہ آنے کا یقین ہوتا ہے اور ہمیں پیرس کو پھر دیکھنے کی اُمّید باقی ہے -

۲۲ - اپریل کی شام کو لنڈن میں ریل کے اسٹیشنوں پر عازمانِ پیرس کا زور تھا - اس ہجوم میں ہم بھی تھے - گاڑیوں میں جگہ کی قلّت تھی - مگر جب جانے کی ٹھن چکی تھی - تو اِن دقتوں کو کون دیکھتا ہے - سوار ہو لئے - گیارہ بجے ڈوور پہنچے اور ایک بجے کیلے - سرزمین فرانس میں پہنچتے ہی یہ احساس ہوا - کہ یہ دُنیا اور ہے اور انگلستان کی دنیا اور - نام کو تو

تھوڑے سے میلوں کا فاصلہ ہے اور کھارے پانی کی ایک پتلی سی لکیر حدِ فاصل ہے۔ مگر آب وہوا میں۔ زمین کی خاصیت ہیں۔ اہلِ مُلک کے مزاج اور عادات میں نہایت نمایاں اختلاف موجُود ہے۔ فرنگی تو انگریز بھی ہیں اور یہ بھی۔ رنگ اُن کا بھی صاف ہے اور اِن کا بھی۔ کوٹ پتلون وُہ بھی پہنتے ہیں اور یہ بھی۔ شائستگی کے ظاہری سامان مُشترک رکھتے ہیں۔ اس پر فرانسیسی اَور طرح کا اِنسان ہے اور انگریز اَور طرح کا۔ انگریز سادہ ہے فرانسیسی رنگین۔ انگریز جفاکش ہے۔ فرانسیسی راحت پسند۔ انگریز تخلیہ جُو ہے۔ فرانسیسی اعلان کا شائق۔ انگریز کھانا نیم پُختہ کھاتا ہے اور فرانسیسی کا مذاق کھانے کے بارے میں ایشیائی مذاق سے مِلتا جُلتا۔ انگریز شراب ڈھونڈھتا ہے جس میں نشہ تیز ہو۔ فرانسیسی ہلکی شراب پسند کرتا ہے۔ انگریز دِن میں دو تین مرتبہ پیتا ہے مگر زیادہ مقدار میں۔ فرانسیسی ہر وقت پینے کی ترکیب نکالتا ہے۔ مگر کم کم مقدار میں۔ انگریز اپنے عیوب ظاہر ہونے نہیں دیتا۔ فرانسیسی کو اُن کے اظہار سے کوئی پرہیز نہیں۔ بلکہ اُس کی رفتار ایسی ہے۔ کہ گویا وُہ انہیں عیوب ہی نہیں سمجھتا۔ پہلا نمونہ جو اِن دو ہمسایہ قوموں کے اختلافِ مزاج کا نظر آیا۔ کیلے کے ریل گھر پر ہی تھا۔ کھانے پینے کے لئے جو کمرہ پلیٹ فارم پر تھا ہم اُس میں گئے۔ دو نہایت پیلتن اور معمّر عورتیں کھانا بانٹنے پر بیٹھی تھیں۔ گویا کہ جائدادِ غیر منقولہ کا ایک حصّہ ہیں۔ لنڈن کی طرح نہیں۔ کہ اگر خادم زیادہ مصروف ہیں تو دوڑ کر کسی گاہک کو خود ہی چیز پہنچا دیں۔ خادم آہستہ آہستہ چلتے تھے اور گاہک کے سامنے جلدی سے سامان چُن دینا کچھ ضروری فرائض میں نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر چلتے وقت انعام کی توقّع میں انگریز ویٹرسے[1] بڑھ کر تھے۔ غرض اُس وسیع کمرے کی آب وہوا میں عام طور پر کچھ سستی اور

[1] لغوی معنٰی انتظار کرنے والا۔ اصطلاح میں وہ خادم جس کا فرض میز پر حاضر رہنا اور کھانا پیش کرنا ہو۔ ۱۲

آسان طلبی کی تاثیر معلوم ہوتی تھی۔ اور وہ گھما گھمی جو ایسے موقعے پر انگریزی ہوٹلوں میں دکھائی دیتی ہے اور وہ تیزی جس سے خادم اور خادمہ انگلستان میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر جاتے ہیں۔ نظر نہیں آتی تھی۔ ہاں جھکنا اور شکریہ ادا کرنا اور زبانی اظہارِ توجہ کسی قدر زیادہ تھا۔

دو بجے رات کے کیلے سے نکلے۔ ایک تکیہ کرایہ پر مل گیا۔ اُس پر سر رکھ کے جو ذرا اُونگھے تو صبح ہو گئی۔ پانچ بجے کے قریب آنکھ کھلی تو ہم نواحِ پیرس میں تھے۔ شہر کے مناظر کی خوبصورتی گردو نواح سے ہی ہویدا تھی۔ اور اوائلِ بہار کے سبزہ و گل نے نظارے کا لُطف اور بھی دوبالا کر دیا تھا۔ ایک گھنٹے تک آنکھ ریل کی سڑک کے دونو جانب کی دلچسپ سیر سے محظوظ ہوتی رہی۔ اور چھ بجے سفر کا خاتمہ ہوا۔ گاڑی ٹھہرنے کو تھی کہ آواز آئی:۔ "پاری۔ پاری"۔ ایک انگریز ہم سفر تھے۔ اُنہوں نے کہا۔ اترو پیرس آگیا۔ اسی کو تو یہاں پاری کہتے ہیں۔ غور سے سُنا تو وہ لوگ الفِ ممدودہ نہیں پکارتے تھے۔ اُن کا تلفظ قریب پَری کے تھا۔ یعنی پے کو ایسے بولتے تھے جیسے بالفتح ہو یا ذرا زیادہ۔ مگر آخری "ی" کو لمبا کھینچتے تھے۔

انگریز چونکہ زبانِ فرانسیسی کے صحیح تلفّظ کی پروا نہیں کرتے۔ اِس لئے محض ہجوں کو دیکھ کر اسے پیرس یا پارس کہہ دیتے ہیں۔ مگر اہلِ زبان کا تلفظ یہ نہیں ہے۔ اُردو میں اگر اس کا صحیح تلفظ مروّج ہو جائے اور مفہوم ہونے لگے۔ تو زیادہ مناسب ہو کیونکہ انگریزوں کی تقلید تو ہم پر لازم نہیں۔ پیرس سے تو پارس زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ اُس صورت میں آخری "س" کی ہی غلطی رہ جاتی ہے۔ جو قواعدِ زبان کے لحاظ سے مُبدّل بہ "ی" ہو جاتا ہے۔ جیسے لفظ "کیلے" میں۔ جس کے ہجے Calais میں مگر آخری S بولتا نہیں۔ لیکن پیرس کو پارس کہنے میں مجھے یہ تامّل ہے۔ کہ واقعات کے

اعتبار سے یہ نام بہت غلط نام ہوگا۔ پیرس کی رونق اور خوبصورتی (کیا قدرتی کیا مصنوعی) ان چیزوں کی جتنی تعریف کرو بجا ہے۔ اور اسی لیئے اسے دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ شہر ہے یا پری؟ اور اہل شہر جواب میں کہتے ہیں "پری"۔ مگر پارس اسے کسی طرح نہیں کہہ سکتے۔ پارس کا کام ہے تانبے کو سونا بنا دینا۔ پیرس کے لئے سونے کو تانبا کر دکھانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اول تو اس معنے میں کہ روپیہ کو خرچ کر دینے کے موقعے جتنے اس شہر میں ہیں۔ شاید ہی دنیا کے کسی اور شہر میں ہوں۔ اس بارے میں یہ لندن سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لئے جو صاحبِ زر یہاں آئے۔ اُس کا دوالہ جلد نکلنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر وہ تازہ آمدنی نہ رکھتا ہو اور محض اندوختے پر اُس کا دارومدار ہو۔ دوسرے کوئی چلن میں سونا ہو اور دو چار سال پیرس کی ہوا کھائے۔ تو تانبے سے بہتر نہ رہ جائیگا۔

شہرِ پری اور اسکا قرب وجوار دلچسپ اور قابلِ دید مقامات سے پُر ہے۔ جن کے کماحقہ دیکھنے کا تو کسی سیاح کو وقت ملنا ناممکن ہے۔ مگر جنکو سرسری طور پر دیکھنے کے لئے بھی ایک مہینہ درکار ہے۔ بیشمار عجائب خانے ہیں۔ جن میں نہائت نادر چیزیں رکھی ہیں۔ فنِ نقاشی و تصویر میں کچھ تو بوجہ اطالیہ کے قُرب کے اور کچھ اس فن میں فرانسیسیوں کے شوق کے سبب یہاں کے عجائب خانوں میں اتنا ذخیرہ ہے۔ کہ طالبانِ فن کے لئے مدت العمر کی تعلیم کا سامان موجود ہے۔ تصاویر کی جس گیلری میں جاؤ۔ بیسیوں مصور زن و مرد بیٹھے اساتذہ کے کام کی نقلیں لے رہے ہیں۔ یہ تصویریں صدیوں کی تاریخ کا پائدار مجموعہ ہیں اور تا حال زمانے کے بیرحم ہاتھ ان کے رنگ و روغن میں فرق ڈالنے میں بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ عجائب خانے مختلف فنون سے مخصوص ہیں۔ بحری ہیں۔ جنگی ہیں۔ فنونِ لطیفہ کے ہیں۔ پھر اُن کی شاخیں ہیں۔ مثلاً جنگی میں توپخانے کا

محکمہ علیحدہ ہے اور تیر و تفنگ اور تیغ و سنان کا علیحدہ۔ کتب خانے ہیں جن میں۔ بڑے کُتب خانے کے علاوہ جو لنڈن کے برٹش میوزیم کے کُتب خانے کا جواب اور مختلف اصناف علوم کا جامع ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو ایک ایک صیغے کی کتابیں رکھتے ہیں۔ ایک کتب خانہ محض علمِ موسیقی کی کتابوں سے بھرا ہوا ہے۔ علمِ طبعیات کے کُتب خانوں کے ساتھ عملی تجربات کے کارخانے لگے ہوئے ہیں اور مدارس و مکاتب ہر طرح کے مسافر کے معائنے کے لئے حاضر ہیں۔ یہ شہر جیسے ان علمی اور عقلی ترقی کے سامانوں سے پُر ہے۔ اُسی طرح اس میں عیش و تفریح کے مقامات اور تھیٹروں اور تماشا گاہوں کی بھی وُہ کثرت ہے۔ کہ کسی اور دار الحکومت میں نہیں ملیگی۔ اِسی لئے یورپ بھر میں اس کا نام "خوش باش" شہر مشہور ہے۔ اور یورپ کے بہت سے امرا یہاں محض آزادانہ خوش باشی کے لئے آتے ہیں۔ جہاں علوم و فنون میں ان لوگوں نے اتنا عروج پیدا کیا ہے۔ کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ وہیں عیش پسندی میں بھی یہ پستی کی حدود سے متجاوز ہو گئے ہیں۔ اور وُہ وہ تجاویز نکالی ہیں۔ کہ ہمارے مشرق کے نیک دل لوگ انکو شاید سُننا بھی گوارا نہ کریں۔ کسی ایرانی اُستاد نے دو شعروں میں حضرتِ انسان کی تعریف کی ہے۔ اُسکی توضیح جس قدر یہاں ہوتی ہے۔ کہیں اور ممکن نہیں۔ وُہ شعر یہ ہیں ؎

آدمی زادہ طُرفہ معجونے است | کز فرشتہ سرشتہ وز حیواں
گر کند میلِ ایں شود بہ ازیں | ور کند میلِ آں شود بد ازاں

اس بے نظیر شہر کے مقاماتِ علمی کا پُورا لُطف تو باخبر ماہرانِ علوم اور اس کے خرابات کا پُورا مزا عیش و رنگینی کے رنگ میں ڈوبے ہُوئے لوگ جانیں۔ مگر جو چیز عام مسافروں کے دلوں کو کھینچتی ہے اور جس کو دیکھ کر آدمی یہ چاہتا ہے کہ پھر

دیکھے اور دیکھا کرے۔ وُہ اس کا خوبصورت نقشہ ہے۔ قدرت اور صنعت دونوں اس کے حال پہ مہربان ہیں۔ قدرت نے اسے دریائے سین دیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی مگر خوبصورت اور سبز پوش پہاڑیوں کا قرب دیا ہے۔ مگر اُن کے ساتھ شہر کی بنیاد ڈالنے کے لئے زمین ہموار دی ہے اور بافراط۔ پھر زمین میں مادہ قبول و نشوونما اعلیٰ درجے کا ودیعت کیا ہے۔ صنعت نے مذاقِ سلیم کی مدد سے قدرت کے عطیوں سے خوب کام لیا ہے اور قدرت کے منظروں میں عجیب گلکاریاں کی ہیں۔ شہر کے کوچہ و بازار وسیع ہیں اور سیدھے۔ دو نو طرف پیادہ چلنے والوں کے لئے اُبھرا ہوا فرش ہے۔ جو اتنا چوڑا ہے کہ لندن میں کسی بازار اتنے چوڑے نہیں۔ اکثر بازاروں کو خیابان سے زینت دی گئی ہے۔ دورویہ اُبھرے ہوئے فرش پر چنار کے سرسبز۔ بلند بالا اور راست قامت درختوں کی قطار چلی گئی ہے۔ جن کے سائے کے نیچے بیٹھنا نہایت خوشگوار ہے۔ درمیان میں گاڑیاں چل رہی ہیں۔ لوگ شوقِ نظارہ کے اس قدر دلدادہ ہیں۔ کہ جب فرصت ہوتی ہے۔ بازار میں قہوہ خانوں میں آ بیٹھتے ہیں۔ ہر چند قہوہ خانوں کے کمروں کے اندر مکلّف نشست کا سامان ہے مگر بہت کم وہاں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ باہر کے برآمدوں میں جہاں آیند و روند سب سامنے سے گذریں بیٹھتے ہیں۔ ہر ایک کے آگے چھوٹی چھوٹی میزیں لگی ہیں۔ اُن میں اپنے اپنے شوق کے مطابق اکل و شرب کا سامان رکھا ہے۔ وہاں آہستگی سے بیٹھے رہتے ہیں۔ اپنے بھائیوں کا ہجوم اور اُن کے گروہوں کا اِدھر اُدھر چلنا ان کے لئے ایسی دلچسپی رکھتا ہے۔ کہ یہ اس سے کبھی نہیں اُکتاتے۔ اور مزا یہ ہے کہ رہگذروں کے لئے یہ ایک تماشا ہیں اور رہگذر ان کے لئے۔ مگر اس رسم سے بازاروں کی رونق اور خوشنمائی بیحد بڑھ گئی ہے۔ شام کے قریب باغات میں جمگھٹا ہوتا ہے۔ اور باغوں کی وسعت اور ان کی روشوں کی تراش خراش میں عقلِ انسانی کا کمال دکھایا گیا ہے۔ دریائے

سین کے دونو طرف شہر چلا گیا ہے اور عمارات میں - بازاروں میں - باغات میں - تماشا گاہوں میں - ایک خاص انداز نہایت کوشش اور احتیاط سے نباہا گیا ہے - یہاں کی عمارتیں لنڈن کی طرح سیاہ نہیں ہیں - اپنا اصلی رنگ عموماً قائم رکھے ہوئے ہیں - اور شہر کی خوبصورتی کو بڑھاتی ہیں -

آفتابِ عالمتاب کی بھی اس پری پر چشم عنایت ہے - لنڈن سے جو چشم پوشی سرکار کو پسند ہے - وہ برتاؤ پیرس سے نہیں اور اس شہر کی دھوپ - اسکی روشنی - اس میں دھند اور غبار کی کمی ان سب باتوں نے مل کر اس کے باشندوں کو زندہ دل بنا دیا ہے - آفتاب کی کرنوں کی بدولت ہی یہاں کے باشندوں کے رنگ میں ایک ملاحت سی پیدا ہو گئی ہے جو بہت دلاویز ہے - انگلستان میں حسن تو ہے اور حسن کے مختلف نمونے بھی مختلف اقوام کے ملک میں بس جانے سے موجود ہو گئے ہیں - مگر سرد آب و ہوا کا نتیجہ یہ ہے کہ حسن میں صباحت ہی صباحت ہے - ملاحت نہیں - مگر فرانس کی کیفیت یہ نہیں - فرانسیسیوں کا رنگ گورا تو ہے - لیکن ضرورت سے زیادہ گورا نہیں - ذرا سا گندم گوں ہو گیا ہے - جس سے یہاں کے حسن کے لئے ایک ترجیح کا باعث پیدا ہوتا ہے -

یہاں کی مشہور عمارات میں نوٹرڈم کا عظیم الشان گرجا شاید باعتبار تقدس و تقدم بہت ضروری سمجھا جائے - لیکن عام دلچسپی کی عمارت ورسیلز کے محلاتِ شاہی سے بڑھ کر نہیں ہے اس مقام کے متعلق بھی اس کے بیان سے پہلے یہ جتا دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ یہ تلفظ جو ہمیں ہندوستان کے مدارس کے جغرافیہ میں سکھایا جاتا ہے - درست نہیں - یہاں اسے ورسائی کہتے ہیں اور مارسیلز کو مارسائی - ورسائی - پیرس سے کوئی چوبیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اس میں عالیشان محلات اور نادر باغات ہیں - ہم ۲۴ - اپریل کو ورسائی گئے - آدھے سے زیادہ راستہ دریائے سین پر کشتی کے ذریعے طے کیا اور باقی ریل پر - راستے میں

دریا کے دونو کنارے دامنِ دل کو کھینچتے تھے کہ "جا ایں جا است"۔ مگر ہمیں فکرِ منزل تھی۔ اور منزل پر پہنچے۔ تو حقیقت میں قابلِ سیر نظر آئی۔ ورسائی کے نظارے نے پچھلے سب خوبصورت نظاروں کا نقشِ دل سے محو کر دیا۔ اور سب کی جگہ خود متمکن ہوگیا۔ ہمارے ملک میں شاہی مکان اُجڑے تو اُس وقت جب ملک کی باگ دوسرے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ان محلات میں چشمِ عبرت کے لئے یہ نیا تماشا موجود ہے کہ قوم زندہ ہے اور اس میں حکومت باقی۔ مگر ان مکانوں کے مکین قوم کے ہاتھوں کٹ گئے۔ نظرِ انصاف سے دیکھو تو "حق بہ حقدار رسید" بادشاہوں نے ملک اور قوم کا روپیہ لے کر اپنے عیش وتنعم کے لئے پانی کی طرح بہا دیا تھا۔ جب جا کے یہ سر بفلک مکان۔ یہ آراستہ کمرے۔ یہ سامانِ آرائش۔ یہ دلکشا باغات پیدا ہوئے تھے۔ زمانے نے ایک پلٹا کھایا۔

انقلاب فرانسوی کا ایک زلزلہ عظیم ملک میں آیا۔ مکین تہِ تیغ بیدریغ کئے گئے اور مکان ملک کے قبضے میں چلے گئے۔ اسی لئے گو ان میں اب کوئی رہتا نہیں۔ انکو اُجڑا ہوا نہیں کہہ سکتے۔ اونچے اونچے خوابگاہ۔ ان پر ریشمی اور زرکار بستر۔ اور ان بستروں پر نرم نرم بالیں اسی طرح رکھے ہیں۔ کہ گویا ماری انتوانت[1] ابھی خوابِ ناز سے اُٹھ کے منہہ دھونے کے کمرے میں گئی ہے اور ہم نے سُرمۂ سلیمانی لگا کر اس کے خوابگاہ کو دیکھنے کا حق حاصل کر لیا ہے۔ ہاں یہ ہے کہ اب کوئی عیش کا دلدادہ شہریار اس تخت نما چوکی پر بیٹھ کر جام و مینا کے مزے نہیں لیتا۔ بلکہ رعایا میں سے اُن کمبختوں کے پوتے پڑپوتے جن کے خون چوس چوس کر یہ اسبابِ عیش مہیا ہوا تھا۔ ہزار در ہزار آتے ہیں اور ان محلات میں گھستے ہیں۔ اور جہانتک آنکھ حظ اُٹھا سکتی ہے۔ اُن میں سے ہر ایک اس بادشاہزادی کے برابر ہے۔ "تلک الایام نداولہا بین الناس"[2] کی یہ خاموش تفسیر ہے

[1] نام ملکہ فرانس ۱۲ [2] ترجمہ اس آیت قرآنی کا یہ ہے:۔ یہ ایام پھراتے ہیں ہم انکو درمیان لوگوں کے۔ یعنی آج کسی کا دور ہے تو کل کسی کا ۱۲

جس کی خاموشی فصاحت کے ساتھ آنے جانے والوں کو وعظِ حکمت سُنا رہی ہے۔

تاریخ یورپ میں اُس باب سے جو نپولین بونا پارٹ کے بے مثال عروج اور اس کے عبرت انگیز زوال کی داستانوں سے پُر ہے۔ زیادہ دلچسپ باب مشکل سے ملیگا اور اسی لئے پیرس کے سیاح کو۔ اگر اُسے تاریخ سے کچھ بھی آشنائی ہے۔ یہاں کے تاریخی مقامات میں نپولین کے مقبرے سے زیادہ دل کش جگہ نہیں ملیگی۔ اِس قابلِ دید عمارت کے دونو بازو تو جنگی عجائب خانے اور کمزور اور بوڑھے سپاہیوں کے ملجا کا کام دیتے ہیں۔ مگر اس کے وسط میں ایک بلند گنبد ہے۔ جس پر سُنہری کام ہو رہا ہے۔ جس کی چمک دُور سے دیکھنے والے کو اپنی طرف بلاتی ہے۔ اس گنبد کے نیچے اور کنارِ دریائے سین میں وُہ جری سوتا ہے۔ جس کے اسپِ ہمّت کی تگ و تاز نے یورپ بھر کو روند ڈالا تھا اور ساری دنیا کے دِل ہلا دیئے تھے۔ ہر تاجدار بیٹھا اپنی جگہ کانپتا تھا۔ کہ ابھی باری آئی کہ آئی۔ نپولین نے مرتے دم وصیّت کی تھی کہ اسے دریائے سین کے قریب دفن کیا جائے جہاں اس کے ابنائے وطن جن کو وُہ دِل سے پیار کرتا تھا اُس کے آخری نشان کو ہر وقت دیکھ سکیں۔ شاید اُس کے اِسی عشقِ کامل کا نتیجہ ہے۔ کہ اہلِ پیرس ہر چند کہ اب جمہوری سلطنت کے عادی اور حکومت شاہی کے دشمن ہیں۔ مگر نپولین کے نام پر مرتے ہیں اور اس کثرت سے اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ کہ اگر وہ کوئی ولی ہوتا تو اس سے زیادہ قدر نہ کرتے۔ یہ گنبد اندر سے نہائت عالیشان اور خوبصورت ہے۔ نپولین کی آرامگاہ کے پیچھے ایک شاندار گرجا بنا ہوا ہے۔ قربان گاہ پر سُنہری بیل بوٹے اور اس کے قریب قیمتی سنگ مرمر کی دیواریں اور ستون۔ اور اُن سقف کے بلورین حصّے سے سُورج کی شعاعوں کا چھن چھن کر پڑنا۔ ان سب چیزوں کا مجموعی اثر یہ ہے۔ کہ نپولین کی شان پسِ مرگ بھی نمودار ہے۔ اور اُس کی خاک میں اب تک

وُہ کشش باقی ہے جس نے زندگی میں اُس کے ہمراہیوں کو اس کا فدائی بنا دیا تھا۔ سچ پُوچھو تو وُہ اِس شان کا مستحق بھی تھا۔ کیونکہ پیرس کی بڑی عمارتوں میں بہت سی عمارتیں۔ اس کے باغوں میں کئی باغ۔ اِس کے عجائب خانوں میں بہت سے عجائب خانے یا تو نپولین کے دماغ کے شرمندۂ احسان ہیں۔ یا اس کے زورِ بازو کی فتوحات کے۔ اور یہ کہنا بالکل مبالغہ نہیں۔ کہ پیرس اگر پری ہے۔ تو نپولین نے ہی اسے پری بنا دیا۔ کیونکہ اُس کے سر میں فرانس کی شان بڑھانے کا سودا جنون کے درجے کو پہنچا ہوا تھا اور اپنی اور اپنے ملک کی عزّت کے لئے جو مرقع اُس نے بڑے پیمانے پر ساری دُنیا کو اپنا تختۂ مشق تصوّر کر کے کھینچنا چاہا تھا۔ اُسی کی تصویر چھوٹے پیمانے پر اُس نے اپنے دار الحکومت میں اُتاری تھی۔ اُس کا منشا یہ تھا کہ دُنیا بھر کی خوبیاں اور تفریحات وُہ اپنے دار الحکومت میں جمع کر دے تاکہ جو شخص وہاں کی سیر کرلے۔ اُسے ہر ملک کا آدمی وہیں مل جائے۔ ہر جگہ کی چیزیں وہیں نظر آجائیں۔ ہر حصّۂ دُنیا کے مزے وہیں نصیب ہو جاویں اور دُوسری جگہ جانے کی ضرورت نہ رہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ وُہ اس ارادے میں ایک معقول حد تک کامیاب نہیں ہوا۔

عبد القادر از پیرس

علم الاقتصاد یا سیاست مدن (مصنفہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے) جس میں علم الاقتصاد کے دقیق اصُول کی توضیح کے ساتھ ساتھ مصنف نے ہندوستان کے موجُودہ تمدنی اخلاقی اور اقتصادی حالات کیطرف لطیف اشارات کئے ہیں۔ جن سے پڑھنے والے کی نظر وسیع ہوتی ہے اور اسکو مسائل اقتصادیہ پر آزادانہ طور پر غور و فکر کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ منگا کر دیکھیے (عہ کو مخزن ایجنسی لاہور سے ملتی ہے) محصول ڈاک علاوہ۔

خطوطِ شاہِ اودہ مرحوم

اس عبرت انگیز خط و کتابت کا اب ایک دوسرا حصّہ شروع ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانعالم واجد علی شاہ مرحوم کو تکالیفِ سفر نے اُس پہلی خط کتابت کے بعد کچھ عرصہ اپنی ہمدم و ہمراز سے غافل رکھا۔ اور وُہ جو دونو طرف نامہ و پیام کی فکر رہتی تھی۔ اُس میں فرق آگیا۔

مُدتے شد کہ رہِ مہر و وفا مسدود است
نہ کسے مے رود آنجا نہ کسے مے آید

لیکن آخر دل کشش کا معاملہ تھا۔ سکوت کب تک کام دیتا۔ اس کی مُہر بھی ٹوٹ گئی اور ایک نیا سلسلہ خطوط کا جاری ہوا۔ چنانچہ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ کا لکھا ہوا خط یُوں اپنا قصّہ غم سُناتا ہے :-

گُلِ گلزارِ خُوبی ثمرِ باغِ محبُوبی نوجوان ممتازِ جہاں نواب اکلیل محل صاحبہ زاد محبتہا اَے جان۔ جانعالم کیا بیان کرے جو مصائب گذرے۔ بارہ آدمیوں سے قلعۂ کلکتہ میں اٹھارہ مہینے سے ہُوں اور علاوہ تکلیفاتِ وحشت اور تنہائی کے یہ زیادہ تر جانگزا ہے کہ جانِ من تم سے دُور ہیں۔ ہم بے قصور ہیں۔ مگر انشاءاللہ تعالیٰ گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہارے پاس خرچ بھجوانے کی جلد تدبیر کرتے ہیں۔ پانچ سو روپیہ عنقریب بھجواتا ہُوں۔ قرض ادا کرنا۔ باقی کی بھی تدبیر ہو جائیگی اور مدام ارسالِ خطوط اور خبرِ خیریت مزاج محبت امتزاج سے دِل غمگین اختر شاد کیا کرو۔ کہ المکتوبُ نصفُ الملاقاتِ کہتے ہیں اور اپنی علاج معالجہ میں غفلت نہ کرنا۔ ایک خط بہجت نمط تمہارا چودھویں تاریخ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ ہجری کو ہمیں پہنچا۔ اس کے دیکھنے سے جانِ غمگین شادماں ہوئی۔ کہ الحمدللہ سب صاحبوں کے

بعد تمہیں بھی ہماری یاد ہوئی۔ خیر ع عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است۔ صبح کا بھولا اگر شام کو آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے ہیں۔ اور جو تم نے یہ لکھا کہ میں لکھنو میں رہوں گی نہ کلکتے میں۔ مجھے اپنے پاس قلعے کے اندر بُلالو۔ جانِ من سُبحان اللہ شریف اور نجیبوں کی یہی بات ہوتی ہے کہ بُرے وقت میں خاوند کے کام آتی ہیں۔ مگر میں تو یہاں شب و روز سیکڑوں پہروں میں گرفتار ہوں۔ ہر وقت پہرے برابر رہتے ہیں۔ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ پھر بھلا تمہاری پردہ داری کس طرح کرونگا۔ مگر اب بالفعل لاٹ صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ نے دو لاکھ روپے عنایت فرمائے ہیں اور ارشاد ہوا ہے۔ کہ اگر اور بھی درکار ہوگا سرکار سے ملیگا۔ اب مناسب ہے کہ با عزت و عصمت وہیں بیٹھی رہو۔ اور ہماری رہائی کی دُعا درگاہِ الٰہی سے مانگے جاؤ۔ جب تک میرے پاس موجود ہے تمہاری خبر لئے جاؤنگا۔ نظر بخدا رکھو اور ہراساں ہو اور مجھے ہر وقت اپنا طلبگار سمجھو۔ اور اپنی والدہ کو میری طرف سے بہت بہت پوچھ دینا اور ایک غزل نئی تمہارے دل بہلنے کو کہی ہے۔ جب طبیعت گھبرایا کرے اسے پڑھ کر ہماری یاد کیا کرو۔ اور جی بہلایا کرو۔

غزل

ایک حسرت طور پر بھی بہرِ موسیٰ رہ گئی
ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمنا رہ گئی

آئینہ دیکھو تو صورت عکس آتی ہی نظر
میں تو خود حیراں ہوں کیسے سمِ دنیا رہ گئی

تصفیہ خوں کا کریں عنابِ لب بتلا طبیب
کس قدر طاقت گھٹی ہے ہجر میں کیا رہ گئی

دل پھڑک کر چپ ہوا گلشن کا عالم دیکھ کر
اے گلو منقارِ بلبل وصف میں وا رہ گئی

کیا تجلی ہے کہ سینہ اسکا روشن ہو گیا
یادگار اک نقل بہرِ طور سینا رہ گئی

باغباں بہرِ گلستاں میں ہوا بادِ خزاں
ہر کلی گلشن کی میری دل سی مرجھا رہ گئی

دل کو ہم مجنوں صفت چھوڑ آئے کوئے یار میں — ناقہ آگے بڑھ گیا محمل میں لیلیٰ رہ گئی
ہو گیا دل قیدی زنجیر زلفِ مہ لقا — محفلِ عیش و طرب ساری دھری رہ گئی
دم کی آمد شد ہے جیسے بادِ صرصر صبح کی — روح اب شلِ چراغِ زیرِ داماں رہ گئی
تو نہ سجدے کو جھکا محرابِ ابرو کی طرف — طائرِ قبلہ نما حسرت تری کیا رہ گئی
کان کا یہ حال ہے مشتاق ہے آواز کا — آنکھ کی صورت یہ ہے حسرت سے دیکھا رہ گئی
آنکھ کو مدِ نظر دیدار ہے اُس یار کا — اور زباں نے ذائقہ اُلفت کا چکھا رہ گئی
جمع اتنا کر کے کیا پایا خدا کے واسطے — دولتِ حسنِ صنم اخترؔ بتا کیا رہ گئی

راقم مہجور جانعالم عفی عنہ

۱۴۔ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ ہجری

لیل و نہار - آج ہم بمبئی کی مشہور آفاق وکٹوریہ پارسی تھیٹریکل کمپنی کے لائق ڈرامٹسٹ مسٹر ونائک پرشاد طالب کے ایک نو ناٹک کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس ناٹک کا پلاٹ لارڈ لٹن کے ایک ناول "نائٹ اینڈ مارننگ" سے لیا گیا ہے۔ لیکن طبعِ مترجم نے اپنی طرف سے بھی بہت کچھ ایزاد کر دیا ہے۔ اور ناٹک کو ہر پہلو سے دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس ناٹک پر رائے قائم کرتے ہوئے ہمیں یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ یہ سٹیج کے لئے لکھا گیا ہے اور اس لئے اسکا انداز وہی ہے جو عموماً ہمارے سٹیج کے ناٹکوں کا ہوتا ہے۔ ڈراما نویسی ایک نازک کام ہے۔ اور خصوصاً ہماری ہندوستانی سٹیج کے لئے ڈراما لکھتے وقت رطب و یابس سے پرہیز کرنا کسی قدر دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن مسٹر طالب اپنے فرائض کو آج تک بخوبی سرانجام دیتے رہے ہیں۔ جس کے ثبوت میں انکی سابق تصانیف گوپی چند ہریشچند وغیرہ پیش کیجا سکتی ہیں۔ موجودہ ڈراما (جو گجراتی زبان میں شائع ہوا ہے) اور جسکا پلاٹ انگریزی میں ترجمہ کر کے طالب صاحب نے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ نہایت دلچسپ اور عبرت انگیز ہے۔ لارڈ لٹن کے سونے پر مسٹر طالب کا سہاگہ قابل دید و قابل داد ہے۔ ڈراما کیا ہے نیرنگی زمانہ کا فوٹو ہے۔ دنیوی زندگی کی نشیب و فراز زمانے کی دو رنگیاں اسکے پڑھنے اور دیکھنے سے دل پر خوب نقش ہو جاتی ہیں۔ زیادہ

بلیک ہول

بلیک ہول عہدِ انگریزی کی تاریخ ہندوستان کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ جسکو اسکول کا بچّہ بچّہ جانتا ہے۔ جادو نگار میکالے نے جس عبرت خیز پیرایہ میں اس اندوہ ناک حادثے کی تصویر کھینچی ہے اُسکو پڑھ کر انہیں دل بھی بیتاب ہُوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لارڈ کرزن کی جو توجہ قدیم یادگاروں کے حال پر ہے۔ وُہ اب شہرۂ روزگار ہو چکی ہے۔ اسی توجّہ کا پر تو "بلیک ہول" پر بھی پڑا اور نہایت تحقیقات کے ساتھ اُس موقعہ کی تعیین کی گئی۔ جہاں یہ قابلِ نفریں معاملہ گذرا تھا۔ اور اُس موقعہ پر ایک مینار بطور یادگار قائم کیا گیا جبکہ ایک جانب اس طرح واقعہ مذکور کے یادگار رکھنے کا اہتمام ہو رہا تھا دُوسری طرف سے یہ صدا اُٹھی کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں اور اس پر لمبی چوڑی بحثیں کی گئیں۔ ایک کریم النّفس کارسپانڈنٹ نے پاینیر میں یہ خیال ظاہر کیا کہ ایسے واقعات کی یاد زندہ رکھنے سے بجز اس کے کوئی فائدہ نہیں کہ دلوں میں رنج و خصومت کے خیالات موج زن رہیں لہٰذا اُن کو بُھلا دینا چاہیے۔ ایک فارسی تاریخ کا قلمی نسخہ حال میں مجھ کو ملا ہے جس کا نام مُلخّص التّواریخ ہے اس تاریخ کا مقصد زیادہ تر اُس عہد کے واقعات کا بیان کرنا ہے جو بنگالہ وغیرہ میں زوالِ سلطنتِ مُغلیہ کے بعد اور عہدِ انگریزی کے مستحکم ہونے سے پہلے گذرے ہیں یہ تاریخ ۱۸۲۵ء میں بعد لارڈ امہرسٹ عُبدالکریم مُلازم دارالانشاءِ عالیہ سرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر متعلّقہ فورٹ ولیم" نے لکھی ہے۔ مؤلف دیباچے میں لکھتا ہے کہ اُس نے کتاب مذکور کو تالیف کر کے "مستر اندرو استرلنگ بہادر دام اقبالہٗ" کے مُلاحظہ میں پیش کیا اور صاحب ممدوح نے اس کو پسند فرمایا[1]۔ مسٹر انڈرو اسٹرلنگ دارالانشاء کے

[1] مؤلف کی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔ و بنظر فیض منظر صاحب والا مناقب فیاض زمان خداوند نعمت مستر

سکرٹری اور کمیٹی متعلق مدارس و ترویج تعلیم علوم و فنون کے ایک ممبر تھے۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک طور پر یہ کتاب سرکار کمپنی بہادر کے دفتر سکرٹریٹ میں مرتب ہوئی۔ اور اس اعتبار سے اس کے مستند ہونے میں کم شبہہ ہو سکتا ہے خصوصاً ان واقعات کی بابت جو خاص انگریزوں سے متعلق تھے۔ اس تاریخ میں جس طرح سراج الدولہ کے کلکتہ کو فتح کرنیکا واقعہ درج ہے اُس کو ہم لفظ بلفظ مع ترجمہ نقل کرتے ہیں :-

ذکرِ جلوس نواب سراج الدولہ بر مسندِ ایالت ہر سہ صوبہ و جنگیدنِ او با انگریزاں در کلکتہ و با شوکت جنگ و کشتہ شدنِ شوکت جنگ

نواب سراج الدولہ بعد فراغ از تعزیت مہابت جنگ بر مسندِ ایالت جلوس نمود .... و قصدِ انتزاعِ مُلک پورنیہ از دست شوکت جنگ خلف صولت جنگ کہ بعد رحلتِ پدرش فوجداری آنجا با و تعلق داشت نمودہ نہضت بطرف راج محل نمود و در ایں اثنا خبر رسید کہ مردمانی کہ برائی گرفتار کردن کشن بلبھہ پسر راج بلبھہ دیوان شہامت جنگ بڈھاکہ رفتہ بودند نوشتہ اند کہ کشن بلبھہ گریختہ خود را بکلکتہ رسانیدہ در حمایتِ مسٹر دریک صاحب کلان آنجا نشستہ است

نواب سراج الدولہ نے مہابت جنگ کی تعزیت سے فارغ ہو کر مسندِ حکومت پر جلوس کیا ...... اور شوکت جنگ خلف صولت جنگ کے ہاتھ سے (جو اپنے باپ کی رحلت کے بعد حاکمِ فوجداری ہوا تھا) مُلک پورنیا نکال لینے کا ارادہ کر کے راج محل کی جانب روانہ ہوا۔ اسی عرصہ میں یہ خبر پہنچی کہ جو آدمی کشن بلبھہ پسر راج بلبھہ دیوان شہامت جنگ کو پکڑنے ڈھاکہ گئے تھے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ کشن بلبھہ نے بھاگ کر کلکتہ میں مسٹر دریک صاحب کلاں کے یہاں پناہ لی ہے

اندر و استرلنگ بہادر دام اقبالہ کہ صاحب سکرٹری دار الانشائے مذکور و ہم یکے از صاحبان کمیٹی متعلق مدارس و تعلیم و ترویج ہر گونہ علوم و فنون اند در آوردہ چنانچہ نسخہ ہذا پسند طبع والا در افتادہ" ۱۲

نقل حاشیہ

و انگلستان در روادش عذر میکنند۔ بمجرد استماع
این خبر قصد مقابلہ شوکت جنگ موقوف نمودہ
بارادۂ تسخیر کلکتہ روانہ شد چون کہ فوج و اسباب
حرب فراوان داشت در اندک مدت بسہل
جنگ بر انگلستان غالب آمد مسٹر دریک
عرصہ را بر خود تنگ دیدہ مضطربانہ با معدودے
بر جہاز سوار شدہ کنارہ کشید و باقیماندگان
با باروت و گولہ جنگیدہ آخر الامر بعضے مقتول
و بعضے اسیر شدند در زرہائے خطیر و اجناس
نفیس از کوٹھی کمپنی انگریز و دیگر سوداگران
ہندی و انگلسی و ارمنی و غیرہم بغارت
لچہ ہائے لشکر رفت این ماجرا در بست و
دوم شہر رمضان سنہ یکہزار و یکصد و شصت
و نہ ہجری بعد انقضائے دو ماہ و دوازدہ
روز از رحلت مہابت جنگ رُو دادہ و
مسٹر واٹس وغیرہ کہ در کوٹھی قاسم بازار بودند
زندہ بقید در افتادند و چند بی بی از نسوان
انگلسیہ در دست مرزا امیر بیگ کہ رفیق میر محمد
جعفر خاں بود آمدند مگر مرزا مذکور کمال امانت
و دیانت را کار فرمودہ باطلاع میر محمد جعفر خاں

اور انگریز اسکی حوالہ کرنے میں عذر کرتے ہیں۔ اس خبر
کے سنتے ہی شوکت جنگ سے لڑنے کا ارادہ ملتوی
کر کے (سراج الدولہ) کلکتہ فتح کرنے کے ارادہ سے روانہ
ہوا۔ چونکہ لشکر اور سامانِ جنگ کثرت سے تھا اس لئے جلد
خفیف سی لڑائی کے بعد انگریزوں پر غالب آگیا۔ مسٹر ڈریک[۵۱]
میدانِ عافیت تنگ دیکھ کر مضطربانہ چند ہمراہیوں کے ساتھ
جہاز پر سوار ہو کر علیحدہ ہو گیا۔ جو باقی رہے تھے
وہ باروت اور گولہ سے لڑے۔ آخر الامر کچھ مارے گئے
اور کچھ قید ہو گئے۔ بہت سا روپیہ اور اجناس نفیس
کوٹھی کمپنی انگریز اور ہندوستانی انگریزی اور
ارمنی وغیرہ سوداگروں کی دوکانوں سے لشکر کے
اوباشوں نے لوٹ لیا۔ یہ واقعہ ۲۲ رمضان سنہ ۱۱۶۹ھ
کو مہابت جنگ کے انتقال سے دو مہینہ بارہ
روز کے بعد پیش آیا۔ مسٹر واٹس وغیرہ جو
کوٹھی قاسم بازار میں تھے زندہ قید ہو گئے
انگریزی خاتونوں میں سے چند بیبیاں مرزا
امیر بیگ رفیق میر محمد جعفر خاں کے ہاتھ
آگئی تھیں۔ مرزا مذکور نے از راہ کمال دیانت
و امانت میر محمد جعفر خان کی اطلاع سے

۵۱ گورنر کلکتہ۔

و مخفی از سراج الدوله آنہا را بر جہازے کہ بماں
مستر دریک بود واز لشکرگاه بزده دوازده
گروه لنگر داشت رسانید و بعد تخریبِ کلکته
مانک چند دیوان راجه بردوان را با پنجہزار
سوار و ہشت نه ہزار پیاده در کلکته گذاشته
خود سراج الدوله بمرشد آباد دارالامارت
خود مراجعت نمود۔

اور نواب سراج الدولہ سے پوشیدہ اُن کو
اُس جہاز پر پہنچا دیا جس پر مسٹر دریک تھے۔ اور
جو لشکرگاہ سے بارہ میل پر لنگر زن تھا۔ تخریب
کلکتہ کے بعد سراج الدولہ نے مانک چند
دیوان کو پانچہزار سوار اور آٹھ نو ہزار پیادے
دیکر کلکتہ چھوڑا اور خود مرشد آباد چلا
گیا۔

اِس بیان میں بلیک ہول کا ذرا بھی ذکر نہیں۔ یہ واقعہ ایسا خفیف نہ تھا جو ایک مؤرخ کے قلم سے رہجاتا۔ مؤلف نے جابجا سراج الدولہ کی سفاہت اور کمینہ پن۔ مغروری اور ظلم کی شکایت پُر زور عبارتوں میں کی ہے۔ اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اس نے نواب مذکور کی بداطواری پر پردہ ڈالا اور اگر اُس نے ایسا کیا بھی ہو تو مسٹر اسٹرلنگ (جو کمیٹی مدارس و ترویج علوم و فنون کے ممبر ہونے کی حیثیت سے تاریخ کو غلط ہونے سے بچانے کے ذمہ دار تھے) کب ایسے واقعہ کی فروگذاشت گوارا کرتے۔ کیا اس سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ "بلیک ہول" کی نسبت فریقِ مخالف کا بیان صحیح ہے۔ یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس تمام سرگذشت میں مسٹر ہالویل کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ دریک اور وٹس کا ذکر ہے۔ اور "بلیک ہول" کا دار و مدار ہالویل کی یادداشت پر ہے +

حسرت شروانی

کوٹ

پوشش کی چیزوں پر سلسلۂ مضمون مدت سے چھوٹا ہوا ہے۔ چند دوستوں نے یاددہانی کی۔ اُن کی عنایت مگر یاد دلانا تو جب مفید پڑتا کہ بھول گئے ہوتے نہیں۔ یہ سلسلہ تو بھول نہیں سکتا تھا۔ سکوت محض اس لئے تھا کہ آسان آسان مضمون ہو لئے اب ذرا ٹیڑھا معاملہ ہے۔ کس کا ذکر کریں کسے چھوڑیں۔ ٹوپی۔ دستار۔ دوپٹہ تو سر کی آرائشیں ہیں۔ آگے بدن کی باری ہے اس کی پوششوں کی انتہا نہیں۔ ہمارے ملک میں آدھی آبادی خصوصاً گرمی کے دنوں میں "تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس" کا راگ گاتی ہو۔ اب ان کے فیشن پر کوئی کیا نکتہ چینی کرے۔ قطع و برید کی گنجائش ہی نہیں "یہ وُہ جامہ ہو کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا" بہت ہیں کہ کُرتے پر قناعت کرتے ہیں اور کرتا بھی وُہ جس کا گریبان سیدھا نہ ہو اور جس میں ایک تکمے کے سوا بوتام کا نام نہ ہو۔ اگر تکلف طبیعت میں زیادہ گھر کر گیا تو ایک صدری اور بڑھالی۔ اب کیا تھا بانکے بن گئے۔ انگرکھا پہن لیا تو پھر کیا کہنے ہیں۔ خاصے اچھے شریفوں میں قدم مارنے لگے۔ اور اگر کہیں آستینوں کا چوغہ پہنے ہوئے ہیں۔ تو جو دعویٰ کریں سجا ہے۔ مولویوں میں مولوی چودہریوں میں چودہری۔ چوغہ کیا ہے نشانِ بزرگی اور نشانِ سرداری ہو۔ اچکن اور پھر اچکنوں میں شیروانی تو وضعداری کی نشانی ہو۔ اس کا جادو تو آجکل چلتا ہوا ہے اور عجب نہیں کہ آگے چل کر اور بھی زیادہ اسی قبولیت حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اس میں زمانہ شناسی کا مادہ بہت موجود ہو۔ انگرکھے سے ملی تو کہتی ہے میں تو تمہاری ہی بہن ہوں ساری قطع ہو بہو تمہاری ہو بس ذرا بوتاموں کی

زیادتی ہے۔ کوٹ کو دیکھئے تو کہتی ہے۔ اخاہ۔ آپ ہیں دیکھئے میں آپ کی قبولیت کے لئے راستہ صاف کر رہی ہوں۔ جو لوگ تنگ اور چُست لباس سے گھبراتے تھے انہیں اس کی عادت ڈال رہی ہوں۔ زمانے کے رنگ کو دیکھ کر میں نے ایک کالر اپنے اوپر ٹانک لیا ہے اتنی ذراسی تبدیلی ہی میرا کیا بگڑتا تھا۔ ایک دوگرہ کپڑے سے نہ ہونے سے لوگ مجھے دقیانوسی کہہ دیتے۔ خدا سلامت رکھے اس ذرا سے چیتھڑے کو۔ اس سے میرا رتبہ کتنا بڑھ گیا ہے۔ اب رہا جیب سامنے لگانے کا معاملہ گھڑی اور رومال کے لئے تو ایک جیب سامنے لگا لیا ہے مگر پہلوؤں سے ہٹا کر سارے جیب سامنے لے آنے میں ذرا دقت ہے۔ خیر دیکھئے تو سہی رفتہ رفتہ سب مشکلیں حل ہو جائینگی اور اچھے اچھے لوگ سب میری طرف مائل ہو جائینگے۔ اور مجھ سے ایک زینہ اور بڑھے تو کوٹ تک پہنچ گئے۔

سب لباس اپنی اپنی جگہ ضروری لباس ہیں لیکن کیا کُرتہ۔ کیا انگرکھا۔ کیا چوغہ کیا اچکن سب مختلف فیہ مسئلے ہیں اگر کسی مسئلے پر اتفاق ہوتا جاتا ہے تو وُہ کوٹ ہے۔ ہندو مسلمان آئے دن تفریق کے سامانوں پر اصرار کرتے ہیں اور یگانگت کے رنگ سے دُور بھاگتے ہیں مگر کوٹ پر اُن کی جنگ نہیں۔ کُرتے کا تکمہ اگر مسلمان دائیں طرف لگائے تو ہندو اس کی ضد سے ضرور بائیں طرف لگاتا ہے۔ مُسلمان اگر مونچھ کٹائے تو ہندو بڑھاتا ہے چوغہ اگر ہندو بھی پہن لے تو مُسلمان ذرا اور لمبا بنوانے لگتا ہے تاکہ صُورت سے ہی تقدّس اسلامی برسے۔ مگر کوٹ دونو کا ایک ہے۔ کوٹ کے لئے وُہی کپڑے دونوں پسند کرتے ہیں وُہی رنگ دونو کو مرغوب ہے اور وُہی کاٹ دونو کو بھاتی ہے امیر اور غریب میں ہندوستان بھر میں فرق موجُود تھا اور اکثر باتوں میں اب بھی ہے۔ مگر جب نئی وضع کے کوٹ کی نوبت آتی ہے تو غریب طبقے کے وُہ لوگ جو کوٹ پہن سکتے ہیں بظاہر

امیر کے قریب آجاتے ہیں۔

صرف ایک طبقہ ہے جو ابھی کوٹ سے ذرا بھاگتا ہے۔ اور وُہ مولوی صاحبان کا طبقہ ہے۔ وُہ اپنی کھُلی عباؤں کو نباہے جاتے ہیں مگر یہ اس لئے کہ عبائیں مفید پائی جاتی ہیں۔ ورنہ کوٹ کے حق میں کوئی نہ کوئی تاویل نکل آتی۔ اور اب بھی کئی صُورتیں نکل ہی آئی ہیں۔ کوئی صاحب باقی سب تو کوٹ کی طرح قطع کراتے ہیں۔ صرف آستین ذرا کھلی رکھواتے ہیں۔ مگر اس سے کوٹ کوٹ کی حدود سے باہر نہیں ہوجاتا۔ کوئی صاحب درزی کو تاکید کرتے ہیں کہ کوٹ تو ہو کمانی دار مگر فرنگی وضع کا نہ ہو ترکی وضع کا ہو۔ لیکن ان چند محتاط حضرات کو چھوڑ کر باقی ایک عالم ہے کہ اس پر متفق ہے اور کیوں نہ ہو انگریزی تحفہ ہے۔ موجودہ ہندوستان میں اگر کوئی خصوصیت ہے تو یہی آپس میں لڑمرے اور لڑے مرتے ہیں لیکن اگر ادیکاہے تو اس پر کہ انگریز حاکم رہیں اسی طرح جو کام خود کرنے لگیں اس پر نہ بھروسہ نہ اعتبار لیکن انگریز کا قدم درمیان آئے تو چاروں طرف سے جوق جوق آنے لگتے ہیں۔ اگر محض ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہو تو ناقص۔ ایک انگریز اس میں آگیا تو کامل ہوگیا۔ جُوتا مُلک میں بنے تو دوکوڑی کا انگلستان سے آئے تو جو دام ہوں تھوڑے ہیں۔ ہندوستانی درزی کپڑا سیئے تو ستیاناس کردے انگریز کے دوکان میں اسی کے ہاتھ کا کام متبرک ہوجاتا ہے پس کوٹ انگریزی ہونے کے سبب سب کپڑوں پر قابلِ ترجیح ہے۔ یُوں تو کوٹ پر بالعموم اتفاق ہے مگر ایک آدھ وجہ اختلاف ابھی ہے۔ کسی نہ کسی طرح کا کوٹ تو اب ہر ایک پہننے لگا ہے۔ وُہ دن نہیں رہے کہ کوٹ پہننے والوں پر یارلوگ پھبتیاں اُڑایا کرتے تھے۔ ایک زمانے میں بہت سے شعر نئی وضع کے خلاف گھڑے گئے تھے ان میں ایک یہ تحفہ ہے :-

جو پوششوں میں ہے پوشش تو بس دریدہ کوٹ

سواریوں میں سواری تو دُم کٹا رہوار

مگر اب اِن اشعار کی داد دینے والے خود ان کے سزاوار ہوتے جاتے ہیں۔ ساری نکٹے ہو چلے اب کون کسی کو کہے کہ تو نکٹا ہے۔ لیکن ایک کوٹ پر ابھی بہت لے دے باقی ہے۔ اور وُہ چھوٹا کوٹ ہے۔ جسے جاکٹ کہتے ہیں۔ جو لمبائی میں صدری سے ذرا ہی نیچا ہوتا ہے اور جسے بعض انگریزی وضع کے دلدادہ تو اختیار کئے جاتے ہیں اور دوسرے ان پر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے اور نرا خیال ہی نہیں اس کے دلائل بھی ان کے پاس موجود ہیں۔ کہ یہ کوٹ ساری دُنیا کا آیندہ کوٹ ہے اور اس لئے جس قدر جلد اس کا رواج عام ہو جائے بہتر ہے۔ مگر معترضین سمجھتے ہیں کہ یہ "بدنما" ہے۔ اتنا محفوظ نہیں جتنا کہ ایک معقول لمبا کوٹ اور ایسا پردہ دار بھی نہیں۔ اسے پہن کر آدمی بے حیثیت اور چھچھورا سا معلوم ہوتا ہے اور انگریزوں کا جو جی چاہے کریں مگر کسی بھلے آدمی کے پہننے کا تو ہے نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جو خوبصورتی ایک پُورے قد کے کوٹ میں جو گھٹنوں تک ڈھانپ لے اور سردی کے وقت جو آسایش ایک بڑے کوٹ میں جو گھٹنوں سے کبھی نیچے تک محفوظ رکھے ہو سکتی ہے۔ وُہ چھوٹے کوٹ میں نہیں۔ مگر معمولی اوقات میں جو پُھرتی اور چُستی چھوٹے کوٹ کے پہننے سے ممکن ہے اور جو آسانی ہاتھ پاؤں ہلانے میں بیٹھنے اُٹھنے میں بھاگنے دوڑنے میں سیر سواری میں شکار میں بائیسکل پر چڑھنے میں چھوٹے کوٹ کے ساتھ مخصوص ہے وُہ کسی اور پوشش میں ممکن نہیں۔ چھوٹے کوٹ کے پہننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاص اوقات کے لئے یا بڑی بڑی مجالس کے لئے بڑے بڑے کوٹ نہ پہنو یا جاڑے میں اور کوٹ نہ پہننے کی قسم کھالو

بلکہ اسکا مطلب صرف اتنا ہے کہ عام ضرورت اور روزمرہ کے استعمال میں کوٹ کو اور چھوٹے کوٹ کو جو منصب موجودہ زمانے کے تمدن میں حاصل ہو چلا ہے اس کا اعتراف کرو۔ یورپ بھر میں تو اس کا رواج ایک عرصے سے چلا آتا ہے اور امریکہ اور آسٹریلیا تو گویا یورپ ہی کے خطے ہیں۔ قابلِ غور یہ امر ہے کہ اب دوسرے ممالک میں بھی کوٹ کو ترقی دِن بدِن زیادہ ہے۔ ایشیا میں جاپان میں تو اس کا رواج نہائت ہی عام ہے۔ چین بھی اب اس کے فوائد سے بے خبر نہیں رہا۔ ایران میں اس کا چرچا ہے۔ روم میں یہ گھسنے لگا ہے۔ ہندوستان کے صوبوں میں سے مدراس اور بنگال میں اس کا چلن خاصہ ہے۔ شمالی ہندوستان ہی ہے۔ جس میں کچھ پس و پیش اس کے بارے میں رہی ہے اور ابتک باقی ہے۔ مگر اب کوٹ والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ان میں جو لوگ اس کے حُسن و قبح پر غور کر کے اس کے فوائد کے لحاظ سے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اُن کو تو کوئی معقول آدمی بُرا نہیں کہے گا۔

لیکن جو محض بھیڑ چال سے کوٹ پوش ہوتے جاتے ہیں وہ بھی قابلِ معذوری ہیں۔ زمانے کے بے رحم ہاتھ کئی پُرانی چیزوں کو مٹا رہے ہیں کُرتے کی جگہ قمیص نے لے لی انگر کھے اور چوغے پر کوٹ حملہ آور ہے۔ کئی مُلکوں میں چوغوں نے مقابلے کی تاب نہ لا کر مُدت ہُوئی ہتھیار ڈال دیئے۔ افغانی چوغے نے بھی کوٹ سے صلح کر لی ایک ہمارا انگرکھا ہے۔ کہ کہیں کہیں میدان میں اڑا ہوا ہے۔ مگر خدا خیر کرے آثار تو شکست کے ہیں +

اکرام

فنِ شاعری

(۱)

ہم جب کوئی اچھا شعر سُنتے ہیں یا کوئی اچھی نظم نظر سے گذرتی ہے تو دل میں آتا ہے کہ کاش ہم بھی شاعر ہوتے یا ہماری طبیعت میں بھی شعر کہنے کا مذاق ہوتا اور ہمارے نام سے بھی کوئی نظم منسوب کی جاتی۔

پڑھے لکھے کیا۔ اَن پڑھ[1] لوگوں کے دلوں میں بھی اس قسم کے خیالات نشو و نما پاتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض اَن پڑھ بھی شاعر ہوتے یا شعر کہتے ہیں یہ شوق اور یہ ذوق تو اکثر طبائع میں پایا جاتا ہے کہ مذاقِ شاعری بہت اچھا مذاق ہے لیکن ایسے لوگ یا ایسی طبیعتیں نسبتاً کم ہونگی جو یہ سوچتی یا یہ خیال کرتی ہوں کہ شاعری کی حقیقت یا ماہیت کیا ہے۔

شاعری کی حقیقت یا ماہیت کی تحقیقات اور انکشاف میں مندرجہ ذیل گروہ توجہ کرتے

---

[1] ہر ملک یا ہر قوم میں اَن پڑھ شاعر بھی پائے جاتے ہیں اور بعض اُن میں سے اچھے اچھے مضامین میں شعر کہ لیتے ہیں گو قاعدہ عروض سے ایسے لیسے اشعار ٹھیک ٹھیک منطبق نہ ہوں مگر موزونیت اور کشش اُنمیں بھی ہوتی ہے اُردو۔ ہندی۔ فارسی۔ عربی اور پنجابی میں اَن پڑھ شاعر ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں گو ایسے لوگ باقاعدہ معلومات نہیں رکھتے اور عُرفی اعتبارات سے نہیں کہا جاسکتا کہ وُہ خواندہ ہیں مگر در اصل انہیں تجربہ۔ قیاس۔ مشاہدہ اور جذباتی طریق سے چند ایسے معلومات ہوتے ہیں جنکی بنیاد پر خیالات کی بندش اور موزونیت کر سکتے ہیں ۱۲

یا حصہ لیتے ہیں۔

"شاعر۔

"ادیب۔

"منطقی۔

"فلاسفر۔

پہلے[۱] گروہ میں وہی لوگ داخل ہیں جو خود شاعر ہیں یا جو اس قسم کا مذاقِ تحقیق رکھتے ہیں یا جنہیں فلسفی مذاق بھی حاصل ہے دوسرے گروہ کے معلومات میں چونکہ فنِ شاعری بھی داخل ہے اسواسطے انہیں بھی ایسی تحقیقات کا شوق رہا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس تیسرے اور چوتھے گروہ کا حال ہو گو ان گروہوں کی تحقیقات علےٰ سبیل التذکرہ ہی ہو پھر بھی یہ کہا جاویگا کہ یہ گروہ اسی تحقیقات میں گونہ دلچسپی[۱] لیتا رہا ہے عربی۔ فارسی۔ ہندی میں فن شاعری اور جذباتِ شاعری کی نسبت مستقل طور پر کتابوں کا کافی ذخیرہ نہیں پایا جاتا۔ ضمناً بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اگر ضمنی اقوال جمع کئے جاویں تو البتہ ایک ذخیرہ بن سکتا ہے۔ ہمیں اس سے اِنکار نہیں ہو سکتا کہ ان زبانوں میں بھی محققین کی کمی نہیں رہی ہے۔ ہاں یہ ضرور کہیں گے کہ اولیات کی نسبت ان محققوں نے سوائے چند کے کوئی جامع تصنیف یا تالیف نہیں چھوڑی[۲]۔ گو ایک فریق کا مذاق علمی

---

۱ منطق اور فلسفہ کی کتابوں میں بالخصوص شاعری یا مذاقِ شاعری کی نسبت بحثیں کیجاتی ہیں گو تعریف شاعری میں ان لوگوں کا شاعروں سے گونہ اختلاف ہو مگر نہیں کہا جا سکتا کہ اس فن کی نسبت ان لوگوں نے توجہ نہیں کی ہو یا یہ کہ فن ان لوگوں کی نگاہوں میں محقر رہا ہے"

۲ یہ طریقِ عمل ہماری علمی ذخائر کے واسطے ایک نقص ثابت ہوا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے فلسفہ میں بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ تحقیقات کی مگر اقسامِ فلسفہ پر کچھ نہ لکھا یا یہ کہ مستقل طور پر کچھ نہ لکھا علیٰ سبیل التذکرہ کہیں کہیں کچھ ایسے طریق سے لکھا جو۔ ایک مستقل تحقیقات کا درجہ نہ حاصل کر سکا۔ یہی ایک نقص تھا۔ جس نے ایشیائی قوموں میں سائنس اور فلسفہ کی کافی ترقی نہ ہونے دی"

دُوسرے گروہ کے مذاقِ علمی سے کسی قدر بعد اور امتیاز رکھتا ہے مگر پھر بھی ان سب گروہوں کے وسائل تحقیقات یا موادِ تحقیقات میں کچھ نہ کچھ نسبت پائی جاتی ہے[ل۱]۔ شاعری کی ماہیت یا حقیقت کے متعلق پہلا سوال یہ ہوگا کہ

"فن شاعری سے مراد کیا ہے[ل۲] یا شاعری کی تعریف کیا ہے ہر ملک یا ہر قوم کے ہر چہار فرقہ ہائے متذکرہ بالا نے اپنے اپنے جذبات و رجحانات کے مطابق شاعری کی مختلف الفاظ میں تعریفیں کی ہیں گو اُن سب حدود یا تعاریف میں گونہ مشارکت اور متجانست بھی پائی جاتی ہے۔ مگر یہ کہنا بھی پڑیگا کہ اُن میں اختلاف بھی ہے اگرچہ ہر ایک گروہ نے بہت سی اور مختلف تعریفیں کی ہیں مگر ہم اُن میں سے خلاصتاً چند لکھتے ہیں :—

ل۱ جو بحثیں یا جو تحقیقاتیں طبعی مواد سے زیادہ تر تعلق رکھتی ہیں اُن میں باوجود بعد مذاق اور اختلاف کے کچھ نہ کچھ نسبت پائی جاتی ہے یا جبکہ مفہوم میں نسبتاً ایک میلان مشترکہ موجود ہوتا ہے تو مواد تحقیقاتی میں بھی ایک یکسانیت محسوس ہوتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ طبعی مستثنیات میں بھی گونہ تضاد اور اختلاف ہے مگر اس تضاد اور اختلاف سے یہ نہیں نتیجہ نکلتا کہ اُن میں کچھ نہ کچھ نسبت اور اشتراک بھی نہ پایا جاوے۔ اثر قبول کرنے اور اثر ڈالنے کا جذبہ ہر شخص میں موجود ہے گو اسکی مقدار کیسی ہی مختلف نہ کیوں نہ ہو۔

ل۲ جس طرح شاعری کی تعریفیں زیر بحث چلی آتی ہیں اسی طرح یہ مسئلہ بھی زیر بحث چلا آتا ہے کہ آیا۔

(۱) شاعری ایک فن ہے یا (۲) ایک علم ہے۔

اکثر اسکے معترف ہیں کہ شاعری ایک فن ہے۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ شاعری ایک علم ہے۔ اس بحث میں مقدم یہ دیکھنا ہے کہ فن کی تعریف کیا ہے اور علم کسے کہتے ہیں اور شاعری کس مد میں آسکتی ہے۔ علم سے مراد محض جاننا ہے جو چیز ہم جانتے ہیں یا جس بات سے ہم مطلق واقف ہوتے ہیں وہ ایک علم ہے محض یا مطلق علم کے ساتھ حکم یا تربیت اور قطع برید کی ضرورت نہیں ہوتی اور ان کے نہ ہونے سے علم کی نفی نہیں ہوسکتی یا یہ کہ ہماری ہر ایک واقفیت اور ہمارا جاننا جو بلا تصرف ہو وہ ایک محض علم ہے۔

"کلام موزون ہو اور متکلم نے بارادۂ موزون کہا ہو۔

"کلام بہ تشبیہات مناسبہ اور استدلال موزون ہو۔

"مقدمات موہومہ کا ایک اچھی ترتیب میں لانا اچھی چیز۔ اچھے سماں کا بدنما یا بُری چیز اور بُرے سماں کا ایک خاص اور موثر طریقہ میں خوش نما ثابت کرنا شاعری ہے۔

"محبت اور غضب الفت اور کراہت کی قوتوں کا بہ طریقۂ موزون اشتعال میں لانا ایک شاعری ہے۔

"مخفی نسبتوں اور موثر رشتوں کا دریافت کرنا اور پھر ان کا ایک دل چسپ یا مؤثر طریقہ میں اظہار شاعری ہے۔

"جذبات اور احساسات عائدہ کا ایک خاص طریق سے استدلال اور استشہاد شاعری ہے"

"جس کلام سے جذبات انسانی برانگیختہ ہوں اور انسان اپنا آپ مخاطب ہو وہ شاعری ہے۔

"شاعری ایک مصوری یا ایک نقالی ہے۔

"شاعری ایک صداقت اور ایک اچھائی ہے۔

"قوت متخیلہ کا بذریعۂ الفاظ و استعارات خاصہ جوش میں لانا ایک شاعری ہے۔

ہم نے جتنی تعریفیں اوپر لکھی ہیں ہماری رائے ہیں ان میں سے کوئی بھی جامع مانع تعریف

حکم: "معلومات کا ایک خاص شکل یا ایک خاص پیرایہ میں منتقل کرنا اور اُن میں ایک اختراعی اور ایجادی روح پھونکنا ایک فن ہے۔

"فن کیا ہے جو نیچر نہ ہو یا نیچر کے خلاف ہو۔

"جب انسان نیچر میں دست اندازی کرتا اور مواد نیچر میں نئے نئے جذبات پیدا کرتا اور خود موثر ہوتا اور دوسروں پر اثر ڈالتا ہے تو وہ ایک فن ہے۔

نہیں ہے اکثروں نے کہا ہے کہ ان میں سے بعض بعض تعریفیں جامع مانع ہیں مگر ہم ان سے اتفاق نہیں کرتے ہر ایک تعریف میں ایک خاصی اور عدم جامعیت پائی جاتی ہے ہاں یہ کہا جاویگا کہ اُن میں سے بعض تعریفیں مقابلتاً سادہ اور ذرا عام فہم ہیں اور اُن کے دائرے ہیں وُہ تمام مرکوزات اور مزعومات آجاتے ہیں جو دوسری تعریفوں میں مزعوم ہیں اکثر کلیات کی تعریفیں معرفین کے مذاق کے زیادہ ماتحت ہوتی ہیں ہر معرف اپنے مذاق کے مطابق تعریف کرتا ہے۔ جو جذبات ہر معرف پر غالب ہوتے ہیں اُن کا تعریفی الفاظ میں زیادہ تر زور یا حصہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شاعر منظر نیچر کے مشاہدی کا بالخصوص عادی ہے وُہ شاعری کی تعریف انہیں الفاظ میں کرے گا۔

"قدرتی مناظر کا دلچسپ اور مؤثر احصار اور موقت اظہار شاعری ہے۔

"جو شاعر اندرونی جذبات کے مطالعہ کا زیادہ تر مشتاق ہے وُہ یُوں کہیگا۔

"باطنی جذبات کا مکمل اظہار شاعری ہے بہت تھوڑی ایسی تعریفیں ہیں جو صحیح معانی میں جامع مانع اور بیروں از قیودِ مذاق ہوتی ہیں۔

"مشاہدات۔ محسوسات۔ تخیلات۔ توہمات کی کترھونت اور اختراعی صورتیں ایک فن ہے۔

"معلومات میں تصرف کرنا اور دست انداز ہونا ایک فن ہے۔

"اصُول یا کلیات سے جذبات کی طرف جانا اور ان سے کام لینا ایک فن ہے۔

"نیچر یا منظر نیچر کے خلاف ایک اَور حالت کا پیدا کرنا ایک فن ہے۔

"قدرتی منظر ہیں با مذاق تصوّر کرنا اور خوبصُورتی سے اُسکا اظہار ایک فن ہے۔

"ان نسبتوں کا دریافت کرنا جو مواد قدرت میں مستر ہیں اور انکا باہمی تعلق پیدا کرکے دکھانا ایک فن ہے۔

انسانی جذبات محسُوسات ضروریات کی تحدید ترتیب توضیح ایک فن ہے۔

یا یوں کہئے کہ جو قضایا جو امور زیادہ تر مذاق سے مربوط ہیں اُنکی تعریفیں اور حدود ہمیشہ اس واسطے مختلف ہوتی ہیں کہ مذاق مختلف ہوتے ہیں جیسے حسن اور خوب صُورتی کی تعریف جامع مانع نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حقیقتاً حسن یا خوبصورتی سے کیا مراد ہے ایسے ہی شاعری کی تعریف بھی ایک ہی مفہوم کے تابع نہیں کیجا سکتی۔

اگر ہم جامع مانع تعریف نہیں کر سکتے یا چند مختلف تعاریف میں سے یہ انتخاب نہیں کر سکتے کہ اُن میں سے کونسی تعریف جامع مانع ہے تو اس سے کوئی نقص نہیں پیدا ہو سکتا کیونکہ جو شخص اپنے مذاق اپنے جذبات کے مطابق ایک تعریف صحیح یا جامع مانع سمجھتا ہے اس کے مقابلہ میں وہی تعریف شاعری ترقی یا شاعری کمال کے واسطے فی احد الجہت جامع یا کافی ہے۔

ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ باوجود اختلافات کے ان سب تعاریف میں ایک نسبت پائی جاتی ہے جو تعریفیں ہم نے اوپر لکھی ہیں وہ اس کی شاہد ہیں کہ ان میں باوجود اختلافات کے کہاں تک ایسی نسبت موجود ہے۔

نئی شکلیں نئی حالتیں پیدا کرنا جو باعتبار تاثرات ایک خصوصیت رکھتی ہوں ایک فن ہے۔

ان دونوں تعاریف کے مقابلہ میں اب یہ دیکھنا ہے کہ شاعری کس میں آتی ہے ہم اس بات کے معترف ہیں کہ شاعری میں معلومات ہوتے ہیں لیکن محض معلومات ہی نہیں ہوتے اُن کے ساتھ تصرفات بھی لازمی ہیں اسواسطے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاعری علم نہیں ہے بلکہ ایک فن ہے۔ یہ اعتراض کیا جاویگا کہ نثر یا کلام ناموزون میں بھی محض علم نہیں ہوتا بلکہ تصرفات بھی ہوتے ہیں اسواسطے انہیں بھی فن کہا جاویگا اول تو ہم یہ کہینگے کہ ان صورتوں میں وہ تصرفات یا ایسے تصرفات نہیں ہوتے جیسے شاعری میں ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ دراصل نثر یا کلام ناموزون بھی ایک فن ہے۔ اگر ہم شاعری کے اعتبار سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ نظم ایک فن ہے تو ایسے ہی ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نثر بھی ایک فن ہے۔

ہم بالخصوص فن شاعری کیوں کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں بمقابلہ نثر کے بہت ہی کمتر ہیوت اور موزونیت

ان سب تعاریف سے مندرجہ ذیل امور پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

"شاعری ایک نیچرل جذبہ ہے۔

"شاعری ایک خاص مذاق کا نام ہے۔

"شاعری احساساتِ اندرونی یا بیرونی کا ایک نقشہ ہے۔

"شاعری جذبات یا احساسات کے موثر۔ دلچسپ اور نازک تصرفات کا منظر یا نمونہ ہے۔

"شاعری تخیلات کا منظر نمایاں اور دل کش نسبتوں میں پیش کرتی ہے۔

یہ امور ہمیں اُن سوالات کی طرف لے جاتے ہیں۔

"شاعری ہماری طبیعت اور ہمارے جذباتِ اندرونی اور بیرونی سے کہاں تک متعلق ہے۔

"یہ مذاق معرضِ عمل یا معرضِ اظہار میں کیونکر لایا گیا یا کیونکر لایا جاتا ہے۔

انسان دو قسم کے جذبات سے متاثر ہے۔

"جذباتِ اندرونی۔

"جذباتِ بیرونی۔

یہ جذبات مختلف اقسام اور مختلف حیثیات کے ہوتے ہیں اور ان سب کی طاقت بھی مختلف ہوتی ہے۔ کسی کی طبیعت میں محض معمولی جذبات پائے جاتے ہیں اور معمولی جذبات سے ہی وہ متاثر ہوتی ہے اور کسی کی طبیعت میں ہر دو قسم کے جذبات اعلیٰ معیار پر ہوتے ہیں۔

شاعری کی جس قدر تعریفیں اوپر کی گئی ہیں اُن سب میں جذبات کی رُوح موجود ہے یا یہ کہ

ہوتی ہے جیسے نثر کے لئے متانت سلاست ضروری اور لازمی ہے ایسے ہی شاعری کے واسطے موزونیت۔ تاثیر۔ دلچسپی تحدید تخیل ترتیب جذبات کی سخت ضرورت ہے جس طرح ایک مشین کا پُرزہ اپنی جگہ چھوڑ کر مشین کے نقص کا باعث ہو جاتا ہے اسی طرح ایک شعر میں ناموزونیت کا پایا جانا شعر کی ہستی کھو دیتا ہے ۱۲

اُن تعاریف کے اعتبار سے شاعری صرف چند جذبات یا ایک قسم کے جذبات کا ہی نام ہے ان سب اعتبارات سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ۔

انسان کی طبیعت میں شاعری کا مذاق من جہت احد الشاعر پایا جاتا ہے یا ایسے جذبات ہر انسان کے لیئے ہمیشہ شاعر بننے کا ذریعہ لازمی ہو سکتے ہیں یعنی ہر طبیعت میں ایک ایسا خاصہ یا ایسا مذاق موجُود مانا جاوے کہ اُس اعتبار سے اُسے شاعر کہا جاوے اگر یہ اصُول درست ہو تو کہنا پڑیگا کہ ہر شخص قدرتاً یا طبعاً یا مولوداً شاعر ہے حالانکہ یہ امر بدیہات کے خلاف ہی باوجُود ان چند در چند تحریکات اور جذبات کے ہر شخص شاعر نہیں ہی یہ ممکن ہی کہ ہر شخص شاعر بن سکے لیکن یہ ممکن نہیں کہ طبعاً ہر شخص محض باعتبارِ جذبات شاعر ہو۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ طبیعتِ انسانی میں مذاقِ شاعری یا جذباتِ شاعری موجُود اور مودعہ ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں لیا جا سکتا کہ۔

"ہر شخص طبعاً شاعر ہے۔

بلکہ یہ کہ ہر شخص کی طبیعت میں علیٰ قدرِ مراتب وُہ مذاق اور وُہ جذبات پائے جاتے ہیں جو ایک موزونیت یا تاثر اور دلچسپی رکھتے ہیں اور جن سے شاعری کی بُنیاد رکھی جا سکتی ہی یا جو شاعری کے اولیات اور بعادیات سے تعبیر کیئے جا سکتے ہیں۔ ہر شخص کی طبیعت میں مطلق علم حاصل کرنے کا مادہ تو موجود ہے لیکن ہر شخص کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وُہ عرض معانی میں عالم بھی ہے ہاں یہ کہا جاویگا کہ ہر شخص علم حاصل کر سکتا ہے۔ جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ

"شاعر بنانے سے نہیں بنتا ہے بلکہ طبعاً پیدا ہوتا ہے۔

تو اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص یا بعض اشخاص شاعر ہی پیدا ہوتے ہیں بلکہ یہ کہ ایسے لوگوں کی طبائع میں وُہ جذبات اور وُہ تحریکات یا وہ احساسات نسبتاً زیادہ دلکش زیادہ موثر زیادہ جامع زیادہ نمایاں ہوتے ہیں جن کی بدولت کوئی شخص ایک اچھا اور نامور شاعر

بن سکتا ہے شاعری پر ہی کچھ موقوف نہیں ہر شاخِ علمی کا مذاق ہر شخص کی طبیعت میں ایک دوسرے سے کم و بیش پایا جاتا ہے۔ اگر ایک طبیعت میں تاریخ کا مذاق ہے۔ تو دوسری منطق اور فلسفہ میں مزاولت رکھتی ہے۔ اگر ایک شاعری پر فدا ہے۔ تو دوسری موسیقی کی شیدائی۔ دس پانچ خورد سال بچے ایک جگہ بٹھا کر دیکھو کوئی کسی شغل میں ہوتا ہے اور کوئی کسی میں بعض چھوٹے بچے تصویر بنانے اور نقشہ کشی میں اپنی سمجھ کے موافق مشاق ہوتے ہیں بعض کہانیاں سننے میں ہی وقت گذار دیتے ہیں بعض روڑے کنکریاں گننے میں ہی رہتے ہیں بعض چپ چاپ تماشا دیکھتے ہیں۔

یہ سب حالتیں ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ ہر ایک کا مذاق جداگانہ ہے یا ہر طبیعت ایک جدا اور نرالی شان[1] رکھتی ہے۔ اگر انسان کی تعلیم و تربیت مذاق اور جذبات کی مطابق ہو اور اُن پر کوئی مجبوری عاید نہ کی جاوے تو وُہ انہیں مقاصد اور انہیں مطالب میں فوقیت اور شہرت حاصل کرے یا انہیں شاخوں میں طبیعتیں زیادہ تر درخشاں۔ نمایاں نکلیں جو اُن کے مطابق نہیں۔

---

[1] مذاق جداگانہ سے یہ مراد نہیں کہ ہر شخص یا ہر طبیعت میں صرف ایک ہی مذاق ہوتا ہے یا یہ کہ سوائے ایک مذاق کے اور کسی مذاق یا کسی جذبہ سے اُسکو نسبت ہی نہیں ہوتی جب کبھی کسی کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا مذاق جداگانہ ہے تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اُسے ایک شق مذاق میں خاص نسبت یا خاص امتیاز حاصل ہے اور وُہ اس میں مبلغ کثیر رکھتا ہے۔

اگر ایک اعلیٰ مذاق یا ایک مختص شاخ کے سوائے کسی شخص کی طبیعت میں اور کوئی خاصہ یا مذاق نہیں ہے تو اس کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص دوسری خواص یا امتیازات میں بھی حصہ دار نہ ہو۔

ایک شخص شاعر بھی ہے اور مصوّر یا موسیقی دان بھی منطقی بھی ہے اور نحوی یا صرفی بھی۔ ہر طبیعت مختلف مذاق رکھتی ہے کسی میں اعلیٰ پیمانہ پر ہے اور کسی میں کم۔ ایک اعلیٰ ہیئت دان گرامر بھی جانتا ہے مگر جب اس کا ذکر آتا ہے تو اُسے ہیئت دان کہتے ہیں۔ صرفی نحوی نہیں کہتے۔ حالانکہ وہ صرف نحو بھی جانتا ہے۔

جس شخص کی طبیعت میں وہ مواد وُہ تحریکات وُہ جذبات زیادہ ہیں جو شاعری کا پیش خیمہ یا بُنیاد ہیں۔ وُہی شخص ایک اچھا شاعر بن سکتا ہے۔ اور اسی کی نسبت کہنا درست ہی کہ وُہ ایک قدرتی شاعر ہے یا اس کی طبیعت میں قدرتًا شاعری کا مذاق ہی جو شخص جذباتِ نقاشی اور مصوری یا موسیقی نسبتًا زیادہ رکھتا ہے وُہی ان فنون میں گوئے سبقت لے جانے اور کمال حاصل کرنے کا مستحق ہے ایسے لوگ چاہے اور علوم اور فنون میں بھی گونہ ملکہ رکھتے ہوں مگر بالخصوص انہیں فنون میں ملکہ فاضلہ ہوگا جن میں ایسے جذبات ایک خاص مقدار میں ہونگے۔ جو لوگ شاعری کے جذبات اور تحریکات یا مواد سے کام لیتے ہیں یا یُوں سہی کہ جن کی شاعری آمد کی نہیں بلکہ آورد کے تابع ہے وُہ اکتسابی شاعروں کی جماعت میں شمار ہوتے ہیں نہ اُس جماعت میں جنہیں وہبی شاعر کہا جاتا ہے۔ یا جنہیں وہبی ملکہ شاعری حاصل ہی۔ ہر شخص کی طبیعت میں عام اس سے کہ شاعر ہو یا نہ ہو موزونیت۔ مناسبت کا مذاق اور ولولہ پایا جاتا ہے۔ جو لوگ شاعر نہیں ہیں یا جنہیں شاعری سے کوئی مس اور نسبت نہیں۔ اُنکی طبیعت میں بھی موزونیت اور مناسبت کا مادہ موجُود ہے۔ جیسے انسان ہمیشہ سُتھری صاف۔ سنجیدہ۔ خوش اسلوب خوش آیند منظر دیکھ کر فرحاں و شاداں ہوتا ہی اور اس کے دل و دماغ میں ایک قسم کی تازگی آئی جاتی ہے ایسے ہی خوش آیند خوش بندش خوش ترکیب خوش معانی خوش الفاظ فقرات اور موزوں حکمات سے ایک سچی خوشی سچا جوش پیدا ہونا اور جذبات میں ایک موثر تحریک پائی جاتی ہے۔

بڑی بڑی تقریریں اور بڑے بڑے منطقی فقرات وُہ اثر نہیں کرتے جو ایک سادہ موزون فقرہ کر جاتا ہے بڑی بڑی تحریریں اور بڑے بڑے مباحثات وُہ کشش اور وُہ سوز نہیں رکھتے جو چند درد آمیز کلموں اور دل سوز جملوں میں سے ہوتا ہی گو ہر تحریر

اور ہر تقریر میں کچھ نہ کچھ بُری بھلی جذب اور کشش مودعہ ہوتی ہی۔ کیونکہ صرف موزونیت یا ناموزونیت پر ہی اس کا انحصار نہیں ہی۔ لیکن فقرات کی موزونیت اور مناسبت میں جو اثر اور جو جذب ہوتا ہے وُہ کچھ اور ہی ہوتا ہے[۵۱]۔

سارے کلام خواہ نثر ہوں اور خواہ نظم ہر وقت یکساں موثر نہیں ہُوتے۔ اُن میں سے چند فقرات ہی دل کش اور موثر نکلتے ہیں اور وُہی سارے کلام یا ساری نظم کی قبولیّت اور شہرت کا باعث ہو جاتے ہیں۔ شاعری کا مذاق چونکہ ایک طبعی مذاق ہے اس واسطے وُہ مندرجہ ذیل صورتوں میں معرضِ عمل میں آتا رہتا ہے۔

(الف) بلا تخصیص۔

(ب) بالتخصیص۔

باعتبار پہلی شق کے ہر شخص عام طور پر موزوں صور اور دل کش امور یا تحریکات کے انتخاب اور استحصال کی جانب مائل یا متوجّہ رہتا ہے۔ ہر وقت طبیعت میں ایک ولولہ اور ایک اُمنگ رہتی ہے کہ دل کش سماں اور موزوں صور پیشِ نظر رہیں خود بھی اُن سے متاثر ہوں اور

[۵۱] اس کے ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑیگا کہ جیسے اثر موثر فقرات پر موقوف ہی ایسے ہی طبائع اور متاثرات کے تابع بھی ہی۔ اثر ہمیشہ باقتضائے مذاق اور جذبات طبائع کے ہوتا ہی جو جملے اور جو فقرے مردوں پر بہ مشکل اثر پذیر ہوتے ہیں وُہ عورتوں پر جادو کی طرح چل جاتے ہیں اور جو فقرات عورتوں پر کم موثر ہوتے ہیں مرد اُن سے بآسانی متاثر ہو جاتے ہیں لیکن سخت دل بڑی بڑی کٹھن واقعات سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ ایک شخص تصویر سے ہی اثر پذیر ہوتا اور مُرجھا جاتا ہی لیکن ایک دوسرا شخص اپنی آنکھوں اصل سماں یا اصل واقعہ بھی دیکھ کر اپنے دل میں کوئی انقلاب نہیں پاتا ہی بعض لوگ اسے کمزوری یا استقامت دل سے تعبیر کرتے ہیں۔ میرے خیال میں کمزوری یا استقامت دل ایک اور حالت ہی اور دردمندی یا سختی دل کچھ اور سماں اثر کمزوروں اور مستقیم القلب دونوں پر ہوتا ہے ۱۲

دوسروں پر بھی اثر ڈالیں۔ بہت کم انسان ایسے ہونگے جو اس خاصہ سے معرّا یا خالی ہوں اس خواہش یا ولولے میں ایک عمومیت ہوتی ہے اور ہر شخص کے اندر یہ عمومیت پائی جاتی ہے۔ ایسی عمومیت کی حالت میں کوئی خاص نام نہیں دیا جاتا اور نہ ہی کسی خصوصیت سے امتیاز کیا جاتا ہے۔ گو مذاق طبیعت میں موجود ہوتا ہے اور اس سے کچھ نہ کچھ کام بھی لیا جاتا ہے مگر کوئی تشخیص نہیں ہوتی یہ ایک عام حالت ہی جب اس عام حالت سے کسی ایک شق میں خصوصیت ہوتی ہے تو پھر ایک خاص نام یا خاص امتیاز سے یہ مذاق موسوم کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت میں ایسے مذاق کے لئے ایک خاص نام تجویز کیا جاتا ہے وہ خصوصیت ہو اُسے حاصل ہوتی ہو خود بخود اپنے تئیں اوروں سے متمیز کرتی ہے۔ جن لوگوں کی طبیعتیں بالخصوص شاعری مذاق کی جانب متوجہ ہوتی ہیں وہ ایک خصوصیت سو عرصہ شاعری میں نکل آتی ہیں۔ اور دُنیا پر ثابت ہو جاتا ہے کہ ان طبائع[۱] میں شاعری کا مذاق کہاں تک مودعہ ہو۔

شاعری پہلے پہل ایسے ہی لوگوں یا ایسے ہی کامل اور فائق مذاق سے شروع ہوئی ہو

---

[۱] شاعری پر ہی موقوف نہیں جس شاخ اور جس شق میں خصوصیت ہو گی اس میں نمایاں نشو و نما ہونے لگی گا جو طبیعتیں ریاضی میں خصوصیت رکھتی ہیں وہ ریاضی میں چمکتی اور شہرت پاتی ہیں۔ ایک جماعت میں بیسیوں طالب علم پڑھتے ہیں ہر یک کا مذاق جداگانہ ہوتا ہو۔ یہ جدا بات ہو کہ سلسلہ تعلیم نامکمل رہو ورنہ بصورت تکمیل تعلیم ہر طبیعت اپنا رنگ دیکھاتی ہو۔ اس سو یہ لازم نہیں آتا کہ ایسی خاص طبیعتیں کسی اور شق میں ملکہ حاصل کرنے سے عاری ہوتی ہیں ملکہ حاصل کرتی ہیں لیکن کمال اسی شق میں ہوتا ہے جو طبعی مذاق کے مطابق ہوتا ہے ۱۲

اور یہیں سے اُس کی بنیاد پڑی ہے۔ اگرچہ ہر شخص کی طبیعت میں موزونیت اور دل کش سماں کا مذاق مودعہ تھا مگر جن طبائع میں ابتداً وافر اور مکمل تھا وہی طبیعتیں میدان امتحان میں آئیں اور اُنہیں کے سر سہرا بندھا۔

جس نے یا جنھوں نے شاعری کی ابتدا کی اور اس شریف فن کی بُنیاد ڈالی وہ چند ہی تھے اور اب ہی پوچھو تو باعتبار اعلیٰ اور صادق شاعری کے چند ہی بہتوں میں سے نکلتے ہیں گو ساری دُنیا شاعر ہو جاوے اور شاعری کا دعویٰ کرے مگر باعتبار اصلیت بہتوں میں سے بہت تھوڑے صحیح معنوں میں شاعری کا مذاق رکھتے ہیں۔

(شاعری کا شروع)

فلسفی اعتبارات سے شاعری کا شروع طبیعت سے ہی ہوا۔ تاریخی لحاظ سے یہ کہا جائیگا کہ شاعری کی فلاں ملک یا فلاں قوم میں فلاں زمانہ یا فلاں وقت میں بنیاد رکھی گئی اور فلاں وقت یا فلاں زمانے میں لیکن طبعی اعتبارات سے کہا جاویگا کہ ہر طبیعت اس کا شروع اور اس کا کمال اپنے ساتھ بھی لاتی ہے اور ہر طبیعت میں یہ جوہر مستتر ہوتا ہے۔ ہاں عرفی اعتبارات سے یہ قرار دینا مشکل نہیں ہو کہ فلاں زمانہ یا فلاں وقت میں اس کی بُنیاد پڑی۔ ہر قوم میں شاعری کے شروع کے متعلق چند در چند روائتیں مشہور ہیں کچھ اُن میں سے علمی اعتبارات رکھتی ہیں اور کچھ محض استقرائی ہیں۔ ممکن ہو کہ اُن میں سے چند روایات فرضی ملی ہوں اور چند واقعات کے مطابق۔

مسلمانوں کی تاریخِ شاعری میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ شعر گوئی کا شوق گویا حضرت آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہوا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی ذریات میں یہ ولولہ یا شوق طبعًا پایا جاتا ہے۔ آدم کی طبیعت میں بھی مودعہ ہوگا اور کیا وجہ ہے کہ حضرت آدم اُس سے کام نہ لیتے۔ چنانچہ مرزا صائب کہتے ہیں ؎

آنکہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود

طبعِ موزوں حجّتِ فرزندیِ آدم بود

حضرت خسرو دہلوی بھی اب سے یُوں ثابت کرتے ہیں :-

ما ہمہ در اصل شاعرزادہ ایم[1]

دل بایں حجّت نہ از خود دادہ ایم

بعض عُلمانے یہ کہا ہے کہ جب حضرت ہابیل فرزندِ آدم علیہ السلام مقتول ہُوئے تو حضرت آدم نے بہ زبان سُریانی نثر میں کہا تھا نہ کہ شعر میں یہ ایک معمولی بحث ہے اگر مان لیا جاوے کہ نثر میں ہی کچھ کہا تھا تو اس سے بھی ہمارا مُدعا فوت نہیں ہوتا ہماری بحث ابتدائی حالات کے اعتبار سے صرف موزونیت کی بابت ہے کہ جو فقرہ اطلاق کیا گیا تھا وُہ موزُوں تھا۔

ایسے موزوں فقرات کا اطلاق حضرت آدم علیہ السّلام سے منسوب نہیں اور بزرگانِ دین اور سلف صالحین ہر ملک و ہر قوم کے ملفُوظات میں بھی اس کا اثر موجُود ہے۔ حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ملفوظاتِ عبری میں بھی ایسے موزوں کلام پائے جاتے ہیں چاہے اُنہیں نثر کہو اور چاہے نظم۔ چنانچہ زبور عبرانی میں یہ فقرہ منظوم موجُود ہے۔

اشرھا ایش اشر لوحالخ بعصت دشا عم

اُبدرلخ حطّالم لوعمّا دلوابم شبلصِم لویاشاب

---

[1] شاعرزادہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ سچ مچ حضرتِ آدم علیہ السّلام باقاعدہ شاعر ہی تھے بلکہ یہ کہ جسے طبعاً انسان کے واسطے موزونیتِ طبع لازمی ہے ایسے ہی حضرت آدم بھی موزوں طبیعت رکھتے تھے گویا ہم سب کے سب ورثتاً طبیعت کی موزونی یا مناسبت پسندی کا مادہ اپنی طبائع میں رکھتے آئے ہیں ۱۲

اسی طرح اور چند مثالیں[۵۱] بھی دی جا سکتی ہیں۔

موزون طبائع کے جوشِ موزونیت سے رفتہ رفتہ شاعری کی بُنیاد پڑتی گئی اور ایک خاص درجہ کی صورت میں منتقل ہو کر ایک فن قرار پا گئی +

(باقی دارد)

سُلطان احمد (از میانوالی پنجاب)

غذا کا اثر

(جسمانی و دماغی صحت پر اور اس کی اصلاح)

یہ امر مسلمہ ہے کہ انسان کی صحت کا دار و مدار چار چیزوں پر ہے۔

اوّل صاف ہوا اور پانی۔ دوم غذا۔ تیسرے ریاضتِ جسمانی۔ چہارم صفائی خُون نندگی ہے۔ جس قدر ہمارا خون صاف قوی اور حالتِ اعتدال میں ہو گا۔ اسی قدر ہماری تندرستی اور رنگ رُوپ بہتر ہو گا اور خون کی صفائی و قوت مندرجہ بالا چار باتوں پر منحصر ہے

---

۵۱ ہندی میں بھی اس قسم کی اکثر نظیریں موجود ہیں۔ جہاں حضرت بابا نانک صاحب کے گرنتھ صاحب اور دیگر تصنیفات میں بیسیوں اس قسم کے فقرے اور تُکیں پائے جاتے ہیں جو بادی النظر میں ایک نظم یا شعر معلوم دیتے ہیں۔ بابا صاحب مرحوم شاعر نہیں تھے۔ لیکن طبیعت میں چونکہ وہی جوش اور مذاقِ موزونیت موجود تھا اس واسطے نثر کی حالت میں بھی مقفٰی اور موزون سخن یا فقرات نکلتے گئے۔ اسی طرح زبانِ پنجابی میں بھی بیسیوں تصنیفات اور اقوال میں اس قسم کی شہادتیں پائی جاتی ہیں خود ہمارے روزمرہ میں بھی بسا اوقات موزون فقرات کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض اوقات تو قوافی کے اعتبار سے بھی ان میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔

ہوا اور پانی کی صفائی۔ بدن کی جلد۔ لباس اور مکان کی پاکیزگی اور ریاضتِ جسمانی پر چنداں بحث کی ضرورت نہیں لیکن غذا بہت اہم بحث طلب مضمون ہے کیونکہ اس میں حضرت انسان نے اپنی جودتِ طبع کو بہت دخل دیا ہے اور اُس کی سادگی میں بہت سی آمیزشیں کی ہیں اور اُس کو ایک معجون مرکّب بنا دیا ہے۔ ذائقہ۔ خوشبو۔ رنگ کی خاطر غذا کی سادگی اور اس کی زود ہضمی اور قوّت بخش خاصیتوں کو قربان کر دیا ہے جس کا خمیازہ مختلف صورتوں سے مختلف مزاج وطبیعت کے لوگوں کو بتدریج چپکے چپکے اُٹھانا پڑتا ہے اور وُہ اس کے اس کے اصلی اسباب سے لاعلم رہتے ہیں۔

انسان غذا کا کیڑا ہے جس قدر سادہ مگر لطیف اور اس کی مزاج وطبیعت کے موافق آب وہوا کا لحاظ کر کے اس کو غذا ملیگی ویسی ہی خوبی وتندرستی۔ ذکاوت اور تیز فہمی اس کے جسم ودماغ سے ظاہر ہوگی۔

جس طرح تمام حیوانی زندگی میں جس میں نباتات بھی شامل ہیں تحلیل پذیری کا قانون عمل کر رہا ہے اور انکو بیرونی غذا کی اپنے ہضم کرنے والے آلات کی ساخت کے لحاظ سے ضرورت ہے اسی طرح انسان کو بھی غذا کی ضرورت ہے تاکہ جو تحلیل وکمی اس کے جسم کے اندر گوشت واعصاب وغیرہ میں ہر گھڑی ہو رہی ہے اس کو پُورا کرے۔ تمام حیوانی زندگی کا دار ومدار اور بنیاد پروٹوپلازم پر ہے جو گویا نباتی وحیوانی زندگی کا بیج یا نطفہ ہے۔ وُہ نہایت رقیق۔ چپکتا ہوا مادہ ہے اور اس میں بیشمار باریک باریک بیج ہوتے ہیں جو ہمیشہ متحرک رہتے ہیں۔ اور یہ پروٹوپلازم ایک مجموعہ مرکّب ہے۔ مادی عناصر کاربون۔ ہائڈروجن۔ آکسیجن اور نٹروجن اور چند اور چیزوں کا۔ خدا کی کاریگری صنعت اور حکمت بس اُن کے انداز۔ مقدار وترکیب میں ہے۔ الغرض نباتات وحیوانات کی ساخت وترکیب پر جس قدر غور کر کے اُن کے حالات ومزاج کے مناسب اُن کی غذا تجویز ہوگی اسی قدر انکا نشوونما۔ بالیدگی وخوبصورتی

مضبوطی زیادہ ہوگی۔ چنانچہ باغبان لوگ جو مختلف پودوں کے مزاج و ترکیب سے واقف ہوتے ہیں جب وہ اُن کے حالات۔ مزاج و ترکیب کے موافق اُن کو کھاد دیتے ہیں۔ تو وہ درخت خوب بڑھتے۔ پھلتے اور پھولتے ہیں بلکہ اُن کے پھلوں کے ذایقہ و بو میں بھی تخصیص و خوبی پیدا ہوجاتی ہے۔ مختلف قسم کے گلاب اور آم اور اُن کے مختلف جسامت خوشبو و ذایقے محض اسی احتیاط و ترکیب کا نتیجہ ہیں۔ یہی حال جانوروں میں ہو۔ ایک ہی نسل سے بتدریج صدہا انواع و اقسام کے جانور محض انتخاب جفت۔ تفریقِ غذا۔ طریقِ پرورش۔ تبدیل آب و ہوا کے انتظام سے پیدا کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ کبوتروں و کُتوں کے اقسام اس بات کے شاہد ہیں۔ علیٰ ہذا انسانی نسل بھی انہیں قوانین کے موافق ادنیٰ یا اعلےٰ مضبوط یا کمزور بہادر یا نامرد بنائی جاسکتی ہو۔ قدیم اہل یونان کو ان باتوں کا بہت خیال تھا۔ وہ انتخابِ زوج۔ غذا۔ طریقِ پرورش۔ آب و ہوا وغیرہ کا بیحد لحاظ کرتے تھے اور اسی لئے بلحاظِ جسامت قوت۔ صورت و دماغ و عقل کے بہترین نمونہ انسانیت کا تھے۔ آجکل انگلستان و جرمنی کے اعلیٰ طبقہ کو لوگوں میں ان باتوں کا بہت خیال ہے چنانچہ ان میں اکثر مرد و عورتیں سرو قد۔ عطارد منظر۔ زہرہ پیکر نظر آتی ہیں۔ ترکوں میں حُسن و عُمدہ عُمدہ جوان نظر آنے کا بڑا سبب یہی ہے کہ اُن کی مائیں چارجین سرکیشن کوہ قاف کی عورتیں ہوتی ہیں۔ جنکو نہایت آرام و آسایش اور حکیمانہ غذا سے پال کر خوب مضبوط و فربہ بنایا جاتا ہے تاکہ وہ اچھی اولاد پیدا کرسکیں۔ ہمارے افغانوں کی قدر جو انگلستان و آسٹریلیا میں ہو۔ اور آسٹریلیا میں جو اُن کے پانوں جم گئے اس کا سبب محض وہاں کی عورتوں کی یہ حکیمانہ و پاک خواہش ہو کہ ان لوگوں سے اپنی قوم میں عمدہ خون لیکر ایک اعلیٰ انسانی نسل پیدا کی جاوے۔ جس کو دیکھ کر بے ساختہ یہ نکلجاوے۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۔

اس میں شک نہیں کہ آب وہوا کا اثر صحتِ انسانی پر سب چیزوں سے زیادہ ہے لیکن غذا
اور رہنے کے طور وطریق وعادات کو بھی اس میں بہت دخل ہے۔ بغداد وغیرہ کی طرف
ایک ہی آب وہوا میں ساتھ ساتھ یہودی وعرب وترک وعیسائی رہتے ہیں لیکن یہودی
بہ نسبت عربوں وترکوں کے زیادہ دنوں تک جیتے ہیں۔ اُن کی بصارت وسماعت آخر
تک عمدہ رہتی ہے اور ان میں امراض کم ہوتے ہیں۔ لندن میں ایک محلہ ایسٹ اینڈ ہے
اور چند اور محلے ہیں جہاں یہودی رہتے ہیں اور اُسی آب وہوا میں انگریز بھی رہتے
ہیں۔ رہنے کا طور وطریق بھی ایک سا ہے۔ لیکن یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہودی بچے
بہ نسبت انگریزوں کے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ باوجود تنگی سے بسر کرنے کے ان
میں کثیر الاولادی ہے۔ حواس وعقل ان میں زیادہ ہے چنانچہ انگلستان کا سب سے
مشہور وزبردست وزیر اعظم لارڈ بیکنسفیلڈ یہودی تھا۔ سائنس کا مسئلہ ہے کہ
(Survival of the fittest) یعنی زندگی کی کشمکش میں وہی کامیاب
رہتا اور جیتی ہیں جو مضبوط زیرک ودانا ہوتے ہیں۔ اس کا ثبوت انگلستان میں ہو رہا ہے
کہ جن محلوں میں یہ یہودی لوگ رہتے ہیں۔ وہاں سے بتدریج بلا کسی ظلم وجبر کے محض
اس خاموش جنگ کے باعث جس کو زندگی کی کشمکش کہتے ہیں۔ اُن محلوں سے انگریز
جن کا وہ ملک ہے اور جن کی وہاں حکومت ہے غائب ہو جاتے ہیں۔ یعنی زندگی کی کشمکش
میں عاجز ہو کر اور تاب مقابلہ نہ لا کر یا تو ان محلوں سے انکو رخصت ہونا پڑتا ہے۔ یا
محتاجی وفاقہ کشی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یورپ کے اور ملکوں میں بھی علیٰ ہذا القیاس
یہی حالت ہے اور اسی وجہ سے یہودیوں کے خلاف ایک سخت نفرت ہے۔ میں جب
انگلستان میں تھا تو میں نے اس مسئلے پر غور کیا کہ جب ایک ہی آب وہوا میں دو آدمی
رہتے ہیں اور اُن کے رہنے کا طور وطریق ایک سا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہودی زیادہ تندرست

وچالاک وعقلمند ہوتے ہیں۔ اسی طرح میں نے یورپ کے اور بغداد کے میں بھی اس مسئلہ پر غور کیا تو صرف ایک بات ما بہ الامتیاز پائی اور وہ یہودیوں کا قانون غذا ہے جس کو وہ Dietary Law کہتے ہیں۔ تمام دنیا کے یہودیوں کا اس پر عمل ہے اور اس کی ہدایات حضرت موسیٰ جو بڑے حکیم و مقنن تھے ان کی تیسری کتاب مسمّٰی بہ احبار میں ہیں۔ میں نے جب سے اس پر عمل کرنا شروع کیا ہے۔ میری صحت و دماغ کو ایک فائدہ عظیم ہوا ہے۔

(۱) یہودیوں اور اہل اسلام کے ممنوعات متعلق غذا بالکل یکساں ہیں صرف چند جزئی باتوں میں فرق ہے یعنے یہودیوں کے ہاں اونٹ اور چند اور جانور مثل خرگوش کے منع ہیں۔ مردار۔ خون۔ لحم الخنزیر۔ مثل اہل اسلام کے یہودیوں میں سخت منع ہے۔

(۲) یہودی لوگ خون کے متعلق اور وہ جانور جو ذبح کیا جاتا ہے۔ بے انتہا احتیاط کرتے ہیں ذبیحہ محض اس وجہ سے نہیں کھاتے کہ انگلستان وغیرہ میں مسیحی جانور کا خون بالکل نہیں نکال دیتے اور ٹھیک طور پر ذبح بھی نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے ذبیحہ سے وہ اس لئے پرہیز کرتے ہیں کہ بڈھا۔ لاغر بیمار جانور یہ لوگ ذبح کر دیتے ہیں۔ یہودیوں کے ہاں دستور یہ ہے کہ بکرا یا مینڈھا وغیرہ ملاں کے سامنے امتحان کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور جب وہ پاس کر دیتا ہے تب وہ ذبح کیا جاتا ہے۔ اور اس کے رگ وریشہ سے خون صاف کر دیا جاتا ہے۔

(۳) یہودی لوگ گوشت میں گھی مثل افغانوں کے نہیں ڈالتے۔ اس لئے کہ توریت میں گھی۔ یا دودھ۔ یا مکھن گوشت کے ساتھ یا کوئی چیز جو دودھ اور گھی کی بنتی ہو اس کو کھانے کے تین گھنٹہ بعد تک کھانا منع ہے۔ البتہ چربی جو گوشت میں چسپاں ہو وہ کھاتے ہیں اور تیل یا تیل کی بنی ہوئی اشیاء گوشت کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔ گوشت کھانے سے ۳ گھنٹہ

بعد یا قبل دودھ - دہی - گھی وغیرہ خوب کھاتے ہیں -

(۴) خمیر اُٹھانے میں یہودی نہائیت احتیاط کرتے ہیں - نہ تو خمیر زیادہ کھٹا ہوتا ہے نہ کم - اسی لیے اُن کی روٹیاں بہ نسبت انگریزی طباخوں کے زیادہ ذائقہ دار - سریع الہضم ہوتی ہیں -

(۵) یہودیوں کے علما ہفتہ میں دوبار روزہ رکھتے ہیں اور اس لئے اُن کو برسوں جُلاب وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور روزہ رکھنے سے پیٹ کو اپنے کام سے قدرے آرام ملجاتا ہے اور رطوباتِ فاسدہ دور ہو جاتی ہیں اور پھر ہاضمہ میں دُگنی قوت پیدا ہو جاتی ہے - یہ بھی تحقیق ہوا ہے کہ یہودیوں میں غذا کی اِس احتیاط کے باعث نہ صرف جسمانی مضبوطی ہو بلکہ عام طور پر بھی اُنکی قوت مقابلہ اُن کی ہمسایہ قوموں کے بہت زیادہ ہے - اور اُن کے بعد مُسلمانوں میں ہے -

مَیں نے اپنے تجربے اور بعض ڈاکٹروں کے رائے سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غذا کی احتیاط صحت جسمانی و دماغی کے لئے بہت ضروری امر ہے - جتنی چیزیں اسلامی شرع میں منع ہیں وُہ صحت کے لئے مضر ہیں اور بعض چیزوں کا بعض چیزوں کے ساتھ کھانے سے بھی نقصان ہو - افغان و عرب و ایرانی و ترک بمقابلہ ہند کے مُسلمانوں کے سادہ مگر لطیف غذا کھاتے ہیں - افغانی ترکاریوں کے ساتھ یا بلا ترکاری اُبلا ہوا بلا مصالح گوشت کھاتے ہیں - ایرانی سیخ کے کباب اور روٹی کے شائق ہیں - اسی طرح عرب بھی گوشت میں نہ مصالح ڈالتے ہیں نہ گھی - اور میرے دانست میں اُنکی غذا بہ نسبت ہمارے زیادہ حکیمانہ ہے ہم لوگوں کے آبا و اجداد نے دولت کے چوچلے کے زمانہ میں اپنے کھانوں کے افراط کے باعث انکو معجون مرکب بنا دیا جن سے ہمارے معدہ مصالح کی پوٹلی ہو گئے ہیں - گوشت کی اصلی خاصیت مصالحوں گھی وغیرہ سے خراب ہو کر وُہ اسکو نہائیت ثقیل بنا دیتی ہے - جس کے

باعث سے ہمارے دماغ نہایت کُند و غبی رہتے ہیں۔

غذا ہی سے خُون گوشت جسم۔ اعصاب پٹھے بنتے ہیں۔ اور ان سب کی خوبی کا اثر دماغ پر ہوتا ہے۔ پس جس قدر ہماری غذا سادہ لطیف زود ہضم اور ہمارے اجزاءِ جسمانی کی ترکیب و کمی و بیشی کے موافق ہوگی اسی قدر وُہ ہمارے بدن کو لگیگی اور جسمانی تندرستی و دماغی قابلیت ہم میں پیدا کریگی۔ غذا کے لئے کوئی خاص قانون کرنا نہایت مشکل ہے لیکن چند اصُول ایسے مقرر کئے جاسکتے ہیں جو ہم سب کے لئے مفید ہو سکتے ہیں اور ہم اپنی غذا کو ان اصُولوں پر قائم کر سکتے ہیں۔

(اوّل) ممنوعات شرعی سے احتراز کرنا جس میں شرابِ ہر طرح کے خمر شامل ہیں۔

(دوم) غذا کو اُس ملک کی آب و ہوا و موسم اور اپنے مزاج کی ترکیب کے موافق تجربے سے مقرر کرنا مثلاً حیدرآباد دکن و جنوب و بنگال و برہما کی طرف نان و گوشت زیادہ کھاتی ہیں۔ ممالک مغربی و شمالی میں دودھ۔ دہی۔ مسکہ گھی زیادہ استعمال ہوتا ہے

(سوم) گوشت میں مصالح و گھی سے پرہیز کرنا۔ قدرے کچاہر امصالح ہو تو مضائقہ نہیں اور گوشت میں جو چربی لگی ہوئی ہو اسکا بھی مضائقہ نہیں۔ گوشت کے ۳ گھنٹہ بعد اور قبل گھی۔ دُودھ دہی سے پرہیز کرنا۔ اور گوشت کو پکانے سے پہلے خون کے آلائش سے صاف کر دینا چاہیئے۔

(چہارم) کھانے میں پانی اور نمک کے علاوہ حسب ذیل اجزا روزانہ ہونی چاہئے۔ اور اس کی مقدار ہر شخص کو اپنے مزاج و آب ہوا و موسم کے لحاظ سے ٹھہرانا چاہئے۔

(ا) نیٹروجن (جیسے گوشت۔ انڈا۔ گیہوں کے آٹے کا میدہ وغیرہ)۔

(ب) چربدار اجزا (جیسے چربی۔ مسکہ یعنی مکھن۔ تیل وغیرہ)۔

(ج) شکریلی اجزا (جیسے شکر۔ شیرہ اور ایسی چیزیں جس میں شکر سموئی ہو جیسے

آٹا - پھل - چاول - آلو وغیرہ -

ایک تندرست آدمی کے لئے روزانہ مقدار ان اشیاء کے حسبِ ذیل ضرور ہو -

(ا) نٹروجن .... ڈھائی چھٹانک

(ب) چربدار .... ڈیڑھ "

(ج) شکریلی اور لیسٹی دار .... آدھ سیر

(د) نمکدار .... آدھی چھٹانک

(۱) نٹروجن اشیاء کی خاصیت پٹھوں کی تحلیل کو ازسرِ نو بھرنا ہے - جو دل کی حرکت سانس وغیرہ سے ہر دم تحلیل ہوتے رہتے ہیں -

(۲) چربدار اشیاء کی خاصیت بدن میں حرارتِ غریزی قائم رکھنا ہے -

(۳) شکریلی اشیاء کا کام حرارت غریزی کو بڑھانا ہے -

(پنجم) فواکہات مثل سیب - ناشپاتی - انگور - زردآلو و نارنگی نہایت مفید ہیں بشرطیکہ تازہ و پکے ہوں -

عرقدار پھل جلد خراب ہو جاتے ہیں - اور چونکہ ان میں ترشی یا ترشی مائل نمکینیت ہوتی ہے - اس لئے وہ معدے کو نقصان کرتے ہیں - اگر وہ اتر گئے ہوں یا کچے ہوں - شیریں میوہ مثل خرمے و رطب کے نہایت مفید ہیں -

بعض میوے اُبال کر اور ٹھنڈے کر کے کھانا نہایت اچھا ہے جیسے خوبانی - آلو بخارا وغیرہ -

خشک میوہ جیسے کشمکش وغیرہ ان میں شیرینی زیادہ ہونے کے باعث زیادہ مقدار میں کھانے سے نقصان دہ ہیں -

(ششم) کھانے کے اوقات اور انکی اجزا کا مقدار وقت کے لحاظ سے معین کرنا مشکل ہے گرم ملکوں میں صبح کا کھانا بہتر ہے - بقول فارسی شاعر کے "یک لقمہ صباحی - بہ از مرغ و ماہی"

شام کے وقت گوشت کم اور میٹھا زیادہ کھانا چاہئیے اور کم از کم ۳ گھنٹے قبل سونے سے کھانا کھا لینا چاہئیے اور سوتے وقت قدرے کافی سیاہ - یا دودھ وغیرہ اگر میسر ہو تو بہت مفید ہے اور جنکو کافی موافق نہ ہو نہ پئیں -

(ہفتم) جو لوگ ماہ رمضان کے روزہ نہیں رکھتے اگر وہ ہفتے میں دو یا کم از کم ایک روزہ رکھ لیا کریں تو انکو سال میں جلاب وغیرہ لینے کی - پھر ضرورت نہ پڑے اس لئے کہ جلاب بقول بو علی سینا کپڑے کو صاف تو کرتا ہے لیکن اسکو کمزور بھی کر دیتا ہے "

قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ :- وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ یعنی اگر روزہ رکھو تو اس میں تمہارے لئے بڑے فوائد ہیں - میں اگرچہ حکیم نہیں ہوں لیکن میں نے ایران - عرب - مصر - استنبول - یورپ و انگلینڈ و ہندوستان کے سفر سے بہت سی تجربے حاصل کئے ہیں منجملہ اُن کے سب سے اہم غذا کا مسئلہ ہے اور ہند کے مسلمانوں کو اور دیگر اعلےٰ و متوسط درجہ کے لوگوں کو اسکی اشد ضرورت ہے کیونکہ غذا کا تعلق خون سے اور اُس کا ہماری صحت سے ہے اور ہماری دماغی قوت و باریکی ہاضمہ و خون کی خوبی پر موقوف ہے - کاش کہ علیگڈھ کالج سے یہ اصلاح شروع ہو - اول اول تو کھانا سیٹھا اور بے ذائقہ معلوم ہوگا لیکن زبان کی ذائقہ - اور ناک کی خوشبو سے تندرستی بہتر ہے اور سب سے زیادہ عقلی و دماغی قوت افضل ہے - ہم کو چاہئیے کہ ہم یہودیوں کی طرح مصر کی ہانڈیوں کے لئے - جنمیں پیاز - لہسن مونگ و مسور کی خوشبوئیں آتی تھیں مگر وہاں غلامی بھی کرگرائیں اور ملک کنعان کی آزادی و سادی غذا پر خدا کا شکر کریں +

ملکم جان (از الٰہ آباد)

چند دن ترکوں میں

(۳)

ترکوں کا کھانا بالعموم کھانا میز پر کھایا جاتا ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو ابھی تک پُرانی صُورت پر کھاتے ہیں۔ کھانیکا طریق بھی تقریباً یورپین ہے۔ اور بالعموم دو طریق پر کھانا کھایا جاتا ہے۔ ایک طریق تو یہ ہے کہ جب سب لوگ میز کے گرد کُرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو ہر ایک آدمی کے سامنے ایک سادہ رکابی چُن دی جاتی ہے۔ پھر کھانے کی رکابی لائی جاتی ہے اور بیچ میں رکھی جاتی ہے۔ صاحب یا صاحبہ خانہ جیسی صُورت ہو اس کھانے کی رکابی سے اپنی سامنے والی سادہ رکابی میں کسیقدر کھانا ڈالکر اپنے نزدیک بیٹھنے والے کو پہلی دیتی ہے اور اس کی سادہ رکابی خود لیکر اس میں پہلے کی طرح کھانا ڈال کر دُوسرے کو دیتی ہے علیٰ ہذا القیاس سب میں تقسیم کرنیکے بعد اپنے لئے ڈالتی ہے اور اس طرح پہلا دَور کھانیکا ختم ہوتا ہے۔ اس اثنا میں اگر کسی کو زیادہ لینے کی ضرورت ہو تو صاحبِ خانہ اس کا خیال رکھتا ہے اور اُس کو فی الفور کھانے والی رکابی سے حسبِ ضرورت اور نکال کر دیتا ہے اس طرح پہلے دَور ختم ہونے کے بعد رکابیاں اُٹھ جاتی ہیں اور پھر پہلی کی طرح ہر ایک آدمی کے سامنے ایک ایک سادہ رکابی چُن دی جاتی ہے۔ اور دُوسری قسم کے کھانے کی رکابی بیچ میں لائی جاتی ہے۔ اس کی تقسیم بھی پہلے کی طرح ہوتی ہے۔ اور اس طرح سب دَور ختم ہوتے ہیں یہ طریقہ یورپ میں بھی ہے۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ ترک ہمیشہ اس قدر پابندی کے ساتھ اس طریقہ کا استعمال نہیں کرتے محض خاص حالات میں پابند ہوتے ہیں۔ عام

صورتوں میں اس طریق پر کھانے کے وقت بجائے ایک آدمی کے تقسیم کرنے کے ہر ایک آدمی اپنے سامنے والی رکابی میں کھانے کی رکابی سے حسبِ ضرورت کھانا ڈال لیتا ہے اور اس طرح ہر دور کو ختم کیا جاتا ہے۔ دوسرا طریق اس طرح پر ہے کہ ہر آدمی کے سامنے حسبِ طریقِ بالا اوّل ایک ایک سادہ رکھی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد نوکر کھانے کی رکابی کو لیکر اوّل ایک آدمی کے سامنے آتا ہے جو حسبِ ضرورت اس رکابی سے اپنی رکابی میں کھانا ڈال لیتا ہے۔ پھر نوکر اس کھانے کی رکابی کو دوسرے کے سامنے کرتا ہے۔ اور وہ بھی پہلی طرح حسبِ ضرورت اپنے لئے لے لیتا ہے۔ اس طرح وہ رکابی سب کے سامنے پھر جاتی ہے پھر دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اور سادہ رکابیاں چُن دی جاتی ہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس کل کھانا ختم کیا جاتا ہے۔ یہ طریق یورپ کی طرح صرف مالدار لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ اس میں نوکروں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ اس قدر گنجائش نہیں رکھتے وہ اوّل طریق کے مطابق کھاتے ہیں۔ ایک تیسرا طریق بھی کھانے کا پایا جاتا ہے۔ اور وہ اس طرح ہے جس طرح مولانا شبلی صاحب نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے۔ کہ کھانے کی رکابی میز پر بیچ میں رکھی جاتی ہے۔ اور سب لوگ ایک ہی رکابی سے کھاتے ہیں۔ یہ ایک قدیم طریق ہے اور اس کا استعمال اب بہت کم ہو گیا ہے۔ اور صرف بہت سے پُرانے خیال کے لوگ ابھی تک اُسی لکیر کے فقیر ہیں۔ چھری کانٹے کا استعمال نہایت کثرت سے ہے۔ ہاتھ سے کھانے کا بھی دستور ہے۔ مگر یہ یا تو ان لوگوں میں پایا جاتا ہے جو اپنے آپ کو زیادہ صوفی خیال کرتے ہیں۔ یا بہت ہی معمولی حیثیت کے لوگوں میں اُن کے علاوہ سب لوگ چھری کانٹے کا استعمال کرتے ہیں۔ اور چمچے کا استعمال تو شاید ترکوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں۔ جو نہ کرتا ہو۔ حتّٰی کہ حمّال وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ کھانے پر بیٹھنے سے پہلے یہ سب لوگ ہاتھ دھوتے ہیں اور کھانا ختم ہونے کے بعد پھر صابون سے ہاتھ دھوئے

جاتے ہیں کھانا کانٹے چھری سے ہی کیوں نہ کھایا گیا ہو۔ یورپ کا دستور اس بارے
میں قابلِ اعتراض ہے۔ وہاں کھانے پر بیٹھنے سے پہلے تو ہاتھ دھوئے جاتے ہیں
مگر کھانا ختم ہونے کے بعد غرغرہ تک نہیں کیا جاتا۔ ہندوستان میں اگرچہ کھانے سے پہلے
اور بعد ہاتھ دھونے کا اکثر استعمال ہے مگر باقی کھانیکا طریق جس قدر اصلاح کے قابل ہے
وُہ محتاجِ بیان نہیں۔ سب سے پہلے پاؤں کے برابر کھانا رکھ کر کھانا صرف خلافِ آدابِ
طعام نہیں بلکہ صحت کے لئے بھی مفید نہیں۔ پھر سب کھانوں کا ایک دفعہ دستر خوان
پر چُنا جانا اور ایک ایک رکابی میں کئی آدمیوں کا ایک ساتھ ہاتھ کی انگلیوں کو ڈبو کر
کھانا معلوم نہیں کس خوبی کا مظہر ہے۔ ترکوں کے کھانے کے طریق میں۔ ایک چیز یہاں
اور قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہے جو ترکوں کے طرزِ معاشرت کی خوبی کا ایک ضروری زیور ہے
ترکوں میں سب کنبہ ملکر ایک میز پر کھانا کھاتا ہے۔ جو لوگ مالدار ہیں اور جن کے ہاں اکثر مہمانوں
کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اور جن کے ہاں سلام لق بھی موجود ہیں وُہ تو ضرور اپنے
سلام لق میں مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ مگر جو اس قسم کی مہمانداری سے آزاد
ہیں وُہ ہمیشہ اپنے سب کُنبہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ میاں بیوی۔ لڑکا لڑکی
بہو۔ داماد جس قدر کُنبہ کے آدمی ہوں۔ سب ایک ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتے
ہیں علیحدہ علیحدہ کھانا اس جگہ داخلِ عیب سمجھا گیا ہے اور یہ دستور ان گھروں میں
بھی موجود ہے جہاں ایک نوکر بھی موجود نہیں۔ ہندوستان میں تنہا خوری کا دستور ہے
جو نہایت افسوس کے قابل ہے۔ صرف مہمانداری کی وجہ سے نہیں بلکہ اکثر حالت میں میاں
علیحدہ بچے علیحدہ اور بیوی علیحدہ کھاتے ہیں۔ اور اس طرح کی معاشرت کی ایک عمدہ
اصُول سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ ترکوں کے کھانے کے وقت صرف تین ہیں۔ صبح تھوڑی
سی کافی پیتے ہیں۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا اور پھر شام کا کھانا۔

(ترکوں کی مہمانداری کا طریق)

ترکوں میں مہمانداری کا جو دستور ہے وہ مشہور عام ہے۔ اور اگرچہ آجکل وہ پہلے زمانہ کا سا دستور اور طریق جاری رکھنا مشکل ہے مگر پھر بھی وہ مہمانداری اور مہمان نوازی کے حق کو نہایت خوبی سے پورا کرتے ہیں۔ اور اس کا ظہور آجکل زیادہ تر باہمی سرسری ملاقاتوں میں دیکھا جاتا ہے۔ سرسری ملاقات کا یہ دستور ہے۔ کہ نزدیک نزدیک کے احباب اکثر طور پر ہفتہ میں۔ ایک دو مرتبہ شام کا کھانا کھانے کے بعد ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں اس طرح کہ ایک دوست مع اپنے عیال و اطفال کے دوسرے دوست کے مکان پر جاتا ہے۔ وہاں دو تین گھنٹے بیٹھتا ہے۔ ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی ہیں کچھ گانے بجانے کا مشغلہ ہوتا ہے۔ تاش تاولہ[1] اور کہیں کہیں شطرنج کھیلا جاتا ہے مہمانوں کی مدارات کے لئے سب سے اوّل کافی لائی جاتی ہے۔ سیگرٹ پیش کئے جاتے ہیں۔ اور ایک دو گھنٹہ کے بعد شربت وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز لائی جاتی ہے اور اس کے بعد مہمانوں کے جانے کا وقت ہوتا ہے تو ایک آخری کافی لائی جاتی ہے جس کے پینے کے بعد مہمان وداع ہو جاتے ہیں۔ ایک دو دن کے بعد پھر یہ میزبان دوست اپنے عیال و اطفال کے ساتھ اس دوست کی ملاقات بازدید کے لئے جاتا ہے اور اس طرح سلسلہ ملاقات جاری رہتا ہے بعض گھروں میں مدارات میں بجائے شربت کے موسمی میوہ پیش کرتے ہیں۔ یہ طریق ملاقات قریب رہنے والے احباب میں ہے اور دور کے احباب جب ملاقات کو آتے ہیں تو وہ حسب موقع دو تین روز تک اپنے میزبانوں کے پاس رہتے ہیں۔ میزبان اپنے مہمانوں کی مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے علاوہ کھلاتے پلانے کی مدارات کے اگر موقع اور موسم ہو تو باہر کی سیرگاہوں اور شہروں کی سیر کرائی جاتی ہے اور تفریح کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں دیا جاتا۔

---

[1] یہ ایک ترکی کھیل کا نام ہے ۱۲

اس موقعہ پر یہ بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ اس ملک میں یہ دستور نہیں ہے۔ کہ مہمان اپنے بستر ساتھ لاویں۔ ہر ایک آدمی کے مکان پر مہمانوں کے لئے حسب توفیق ایک دو علیحدہ بستر تیار رکھے جاتے ہیں۔ اور صرف بستر ہی نہیں رکھے جاتے بلکہ مہمانوں کے لئے رات کے سونے کے کپڑے جنکو کیجہ مک کہتے ہیں اور جس کا ذکر میں نے ترکوں کے لباس میں کیا ہے۔ وہ بھی رکھے جاتے ہیں۔ اور ان سب چیزوں کا اہتمام بالعموم عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

مہمان کے آنے پر شام کے وقت بستر تیار کیا جاتا ہے۔ اور اُس بستر کے پاس رات کے سونے کے کپڑے اور سلیپر وغیرہ رکھ دیا جاتا ہے۔ گویا مہمان کو بجز اپنی پوشش کے پارچہ کے اور کسی چیز کے لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ ان سب چیزوں کا اہتمام بالعموم عورت کی ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لئے جس جگہ مہمانوں کی مدارات میں کمی ہو یا بستر وغیرہ کا سامان حسب اطمینان نہ ہو۔ وہاں عموماً صاحبہ خانہ امورات خانہ داری سے نابلد سمجھی جاتی ہے۔ ترکوں کے تذکرہ مہمان داری کے ذیل میں اُن کے طریق ملاقات کا کچھ مختصر حال ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ترکوں کی مُلاقات کا دستور یورپین اور مشرقی طریق کا مجموعہ ہے۔ جب کوئی شخص کسی کی ملاقات کے لئے جاتا ہے۔ تو حسب قاعدہ پہلے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ اندر سے نوکر آکر دروازہ کھولتا ہے۔ اور ملاقاتی صاحب کو ڈرائنگ روم میں لیجاتا ہے اور وہاں انکو بٹھاتا ہے۔ حسبِ موقعہ صاحبِ خانہ یا تو۔ پہلے سے اس کمرہ میں انتظار کرتا ہے۔ یا چند لمحہ بعد اس کمرے میں آکر ملاقات کرتا ہے اور تھوڑی اِدھر اُدھر کی گفتگو کے بعد قہوہ وغیرہ کی مدارات شروع ہوتی ہے (یہ رسم یورپ میں نہیں ہے) اختتامِ ملاقات پر صاحبِ خانہ یا تو بیرونی دروازہ تک ساتھ آکر مہمان کو وداع کرتا ہے۔ یا صرف ڈرائنگ روم کے دروازہ پر ہی وداع کر دیتا ہے۔ یہ فرق دوستی کے مدارج کے

مطابق ہوتا ہے۔ بوقت ملاقات ترک دست بیچہ بہت کم ملاتے ہیں۔ اور زبانی سلام علیکم بھی بہت کم کہتے ہیں۔ ہاتھ سے ایک اشارہ کرتے ہیں۔ جو بمنزلہ السلام علیکم سمجھا جاتا ہے۔ یہ اشارہ حسب ترتیب مراتب ہوتا ہے۔ ہم عمر اور ہم رتبہ آدمی آپس میں یہ اشارہ بیچ جھکنے کے بغیر کرتے ہیں۔ مگر اپنے سے بڑی عمر یا بڑے رتبہ والے کو اشارہ کرنیکی وقت کسیقدر جھکنا ضروری ہوتا ہے۔ اس اشارے کی صورت کو بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر مجملاً یہ سمجھنا چاہئے۔ کہ ہم عمروں میں اس اشارہ میں سینہ اور پیشانی کے محاذ ہاتھ اٹھایا جاتا ہے۔ اور اپنے سے بڑوں کے سلام میں تقریباً زانو سے پیشانی تک۔ ہاتھ اٹھایا جاتا ہے۔ زبانی الفاظ کہنے کے وقت بجائے لفظ سلام علیکم یورپین طریق کے مطابق وقت کے لحاظ سے دو الفاظ کہے جاتے ہیں۔ مثلاً صبح کے سلام کیلئے لئے (صباح شریف لو نیز خیر اوسوں) شام کے سلام کے لئے (اقسام شریف لو نیز خیر اوسوں) سونے کے وقت جب سب لوگ اپنے گھروں میں جاتے ہیں۔ تو ایک دوسرے کو سلام کی جگہ یہ دعائیہ الفاظ کہتے ہیں (اللہ راحتلق ویرسوں) اسی طرح کا ایک دعائیہ جملہ غسل کرنیکی بعد کہا جاتا ہے یعنی جو آدمی کہ غسل کرنے کے بعد دوسروں میں آتا ہے تو اسکو دوسرے آدمی (صحت لر اوسوں) کہتے ہیں۔

ملاقات کی وقت ترکوں میں ایک یہ عمدہ طریقہ بھی مروج ہے۔ کہ اکثر چھوٹے عمر کے بچے بلکہ بعض دفعہ جوان بھی بڑوں کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہیں۔ یہ طریق دور کے ملاقاتوں میں بہت کم ہے۔ مگر نزدیک کے اقربا۔ یا پرانے دوستوں میں ضروری طور پر پایا جاتا ہے۔ اور بالخصوص اپنے کنبے میں اسکا دستور پوری نگہداشت کی ساتھ قائم رکھا جاتا ہے۔ ترکوں کے اس طریقہ دست بوسی کی مقابلہ میں یورپ میں منہہ پر بوسہ دینے کا دستور جس قدر غیر مطبوع ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ بڑے بڑے اطبائے زمان نے اس طرح بوسے کے دستور کو قواعد حفظان صحت کے بالکل خلاف ثابت کیا ہے۔ فرانس ہسپانیہ۔ اٹلی وغیرہ ممالک میں بوسہ دینے کا دستور معیوب نہیں تو کم ضرور ہوتا جاتا ہے۔ مگر انگلستان میں اسکا دستور ابھی پورے زور پر ہے۔ اب میں ترکی مستورات کے حالات قلمبند کرتا ہوں کیونکہ جس قدر یہ مضمون زیادہ ضروری ہے اسی قدر پیچھے رہا جاتا ہے ÷ (باقی دارد)

میرزا جلال الدین

ایک پرندہ اور جگنو

(ماخوذ از انگریزی)

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
کسی ٹہنی پہ بیٹھا گا رہا تھا
چمکتی چیز اک دیکھی زمیں پر
اُڑا طائر اسے جگنو سمجھ کر
کہا جگنو نے او مرغِ نواریز
نہ کر بیکس پہ منقارِ ہوس تیز
تجھے جس نے چہک گل کو مہک دی
اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
لباسِ نور میں مشہور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں
چہک تیری بہشتِ گوش اگر ہے
چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے
پروں کو میرے قدرت نے ضیا دی
تجھے اُس نے صدائے دِل رُبا دی
تری منقار کو گانا سکھایا
مجھے گلزار کی مشعل بنایا
چمک بخشی مجھے آواز تجھ کو
دیا ہے سوز مجھ کو ساز تجھ کو
مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز
جہاں میں ساز کا ہے ہم نشیں سوز
قیامِ بزمِ ہستی ہے انہیں سے
ظہورِ اوج و پستی ہے انہیں سے

ہم آہنگی سے ہے محفل جہاں کی
اسی سے ہے بہار اس بوستاں کی

اقبال

کلامِ اکبر

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا ۔ بُت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش ۔ طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس ۔ ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھاتے ہیں ہمارے مُرشد ۔ کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم ۔ رنگِ مذہب میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

ہوشیاروں میں تو ایک اِک سے سوا ہیں اکبر
مُجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

بحثیں فضول تھیں یہ کھُلا حال دیر میں ۔ افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں

ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حُسنِ بُتِ فرنگ ۔ بچ بھی گئے تو ہوش انہیں آئیگا دیر میں

چھُوٹا اگر مَیں گردشِ تسبیح سے تو کیا ۔ اَب پڑ گیا ہُوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

ہے مُلک اِدھر تو قحط زدہ اُس طرف یہ وعظ ۔ کُشتے وہ کھا کے پیٹ بھرے پانسیر میں

سدھاریں شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھینگے ۔ وُہ دیکھیں گھر خُدا کا ہم خدا کی شان دیکھینگے

بُتانِ مغربی سے ہیں تعارف کی تمنّائیں ۔ مَیں دیکھوں گا اُنہیں اور وُہ مرا ایمان دیکھینگے

اکبر

عہدِ عتیق

یارب کہاں ہے اب وُہ - گذرا ہوا زمانا   دُنیا میں جبکہ پہلے - اپنا ہُوا تھا آنا
آدم کی گودیوں میں پلتے تھے ناز سے ہم   لے دے کے تھا جہاں میں اپنا ہی اک گھرانا
فطرت تھی اپنی دانہ - اور سادہ زندگی تھی   بارش کا پانی پینا جنگل کے میوے کھانا
سارے جہاں میں اپنی تنہا تھی بادشاہی   پھرتی تھی مست ہر سو - گاتے ہوئے ترانا
پھر نوح ناخدا نے کشتی کا اپنے اُسدم   طُوفان میں جب اپنا - بیڑہ ہوا روانا
دُنیا میں بہ رہا تھا پانی اُبل اُبل کے   موجیں اُلٹ رہی تھیں - عالم کا کارخانا
طوفان خیز موجوں میں بہتے بہتے آخر   جودی کی وادیوں میں اپنا ہُوا ٹھکانا

پھر پھیل کر جہاں میں مُلکِ خدا بسایا
یورپ میں گھر بنائے اور ایشیا بسایا

وُہ مُلکِ شام جو تھا - سارے جہاں سے بہتر   اس میں ہر ایک جانب ڈالے تھے ہم نے چھپّر
کرتے تھے بُت کی پُوجا شیوہ تھا بت تراشی   مشہور تھا جہاں میں اپنا ہی نام آذر
کعبہ خدا کا پہلا گھر ہم نے ہے بنایا   رکھا یروشلم کا پہلا ہمیں نے پتھر
بابل کی راہ سے ہم پھر ایشیا میں آئے   لکھے علوم کے یاں - ہم نے ہزاروں دفتر
دورِ فلک کے یاں سے کرتے تھے ہم نظارے   معلوم کرلئے تھے قطبین اور محور
سیرِ کواکب آکر کی ہم نے مصر میں پھر   باہم دگر وُہ کیسے - پھرتے ہیں کھاتے چکّر
ایتھنیز میں تھے دیتے ہم فلسفے پہ لکچر   ایلیڈ ہمیں نے لکھی - ہاں ہاں ہمیں تھے ہومر

تکوین پر نظر کی عالم کو چھان مارا

فطرت کے راز سارے کر ڈالے آشکارا

جو آریہ کا فرقہ ہندوستاں میں آیا ۔۔۔ وُہ ہم تھے اور ہمیں نے یہ مُلک سب بسایا
پریاگ اجودھیا میں ہم نے جمائے ڈیرے ۔۔۔ اور راکشش کی قوموں کو مُلک سے بھگایا
گنگا کے ساحلوں پہ کاشی کی نیو ڈالی ۔۔۔ مندر وہاں بنائے تیرتھ وہاں کرایا
لنکا میں جا کے ہم نے راون سے رن کی ٹھانی ۔۔۔ سونے کا ملک اس کا اک آن میں جلایا
گوتم مہاتما تھا وُہ پیشوا ہمارا ۔۔۔ سچّی خوشی کا جس نے اصلی تھا راز پایا
بھارت کے سورما ہیں ارجن ہے نام اپنا ۔۔۔ کرتے کرشن جی تھے ہم کو وہاں وصایا
بکرم کے ساتھ پھرتے تھے مالوہ کے بن میں ۔۔۔ دربارِ اکبری کو ہم نے ہی تھا سجایا

اچھّا نہیں جہاں سے یُوں سرسری گذرنا
سب کچھ کیا ہے ہم نے۔ سب کچھ ہی ہم کو کرنا

اسلم جیراج پوری

تربیت و ترقی

ہمارے مکرّم جناب مولوی محمد عبد الراشد صاحب دہلوی نے دہلی کے ایک قومی جلسے میں کچھ عرصہ ہوا ایک پُر مغز لکچر دیا اور اس کی نثر کو اس مختصر نظم سے مزین کیا۔ نثر میں انکی تحریر کی خوبی سے ناظرین واقف ہیں۔ کیونکہ انہی سے اُمید پڑتی ہے کہ "مرأت العروس" اور "توبۃ النصوح" جیسی لاجواب کتابوں کی زبان کو ان کے نامور مصنّف کے بعد قایم رکھیں گے۔ مگر نظم میں یہ اُن کی ابتدائی کوشش ہے۔

طبیعت کی موزونی اور علم کے زور سے چند مصلحانہ اور فلسفی خیالات منظوم ہو گئے ہیں۔ ان میں مولانا حالی کے اُس طرزِ بیان قومی مجالس کے لئے موزون بھی ہے۔ خواہ محض شعر پسند حضرات اس طرز سے کتنا ہی اختلاف کریں۔ البتہ اس نظم میں تکلف موجود ہے۔ لیکن امید ہے کہ ذرا سی توجہ اور تھوڑی سی مشق سے مولوی محمد عبد الراشد صاحب کی نظم میں بھی وُہی بے ساختہ پن پیدا ہو جائیگا جو انکی نثر کا خاصہ ہے۔ اور وہ نثر و نظم دونوں میں اپنے عم بزرگوار مولٰنا نذیر احمد صاحب کے قابل جانشینوں میں ہونگے:۔

گلشنِ شاداب میں موجود ہیں جو جو شجر
کوہ و صحرا میں بھی آتے ہیں وُہی اکثر نظر

فرق یہ ہے واں درختوں کی بقا و پرورش
منحصر ہوتی ہے مطلق فطرتی اسباب پر

گر زمیں کی قوتِ روئیدگی کچھ گھٹ گئی
کوئی سوکھا جڑ تلک اور رہ گیا کوئی ٹھنٹھ

قلتِ بارش نے کاہی کر دیا بے برگ و شاخ
جسمِ زاہد کی طرح سے رہ گئے سب سوکھ کر

رطب و یابس کا اثر ہے ہر گل و ہر برگ میں
بے قرینہ ہیں جو شاخیں بے مزہ سے ہیں ثمر

باغ میں ان آفتوں کے دفع کرنیکے لئے
کوششیں ہر قسم کی ہوتی ہیں تا حدِ بشر

کھات پانی سایہ خشکی سلسلہ ترتیبِ فصل
جملہ سامانِ فلاحت رہتے ہیں مدِ نظر

دے کے پانی سوکھتے کو کر گیا نخلِ مراد
کر دیا گلدستہ کاہی چند شاخیں چھانٹ کر

نے نیستاں میں تھی خالی ! نے ! مگر دہقان نے
تربیت کچھ لا کے کی اور ہو گئی وُہ نیشکر

گو وجودِ شئے کا باعث فطرتِ شئے ہے مگر
تربیت لازم ترقی کو ہے قصہ مختصر

طبقۂ اعلیٰ میں بھی ہر نوع کا یہ ہی ہے حال
تربیت سے ہے ترقی یہ نہ ہو تو ہے زوال

مشترکِ آبادی و وادی کے بعضے جانور
ہیں کبوتر کبک و طوطی اسپ و گاؤ و سگ غزال

فکرِ ما یحتاج سے ایمن نہیں وادی میں وُہ
ابر و باد و برق سے دم بھر کی راحت ہے محال

گاہ فکرِ دام ہے اور تیرگی گاہے خلش — زندگی انسان کی انسانیت سے ہو وبال

حضرتِ آدم نے ان میں جنکو پایا ہونہار — لائے اپنے ڈھب پہ انکو اور کی کچھ دیکھ بھال

آب و دانہ کا تہیہ اور حفظِ گرم و سرد — کی ہمیشہ اور بچوں کی طرح رکھا خیال

تربیت کے پھر نکالے رستے اور کی اختیار — گاہ لینت گہ تشدد از برائے امتثال

آگئے رستے پہ تھوڑے دن میں حیوان اسیر — ہوگئے انسان اور انسان بھی صاحب کمال

حل کیا بعضوں نے ملکر عقدۂ جرِ ثقیل — نغمۂ دلکش سے کوئی ہوگیا شیریں مقال

تربیت کے فیض سے حیوانِ مطلق نے وہ کام — کر دکھائے ہو سکیں انساں سے جو دے کیا مجال

احسن تقویم کا مصداق ہی بیشک بشر
پر ترقی سے ہو عاری تو ہے الٹا جانور

احسن تقویم کا مصداق ہی بیشک بشر
پر ترقی سے ہو عاری تو ہی الٹا جانور
محمد عبد الراشد
محمد عبد الراشد

سخاوت

سخاوت

عجب شوکت سے دریا موجزن ہے — یہ موجیں ہیں کہ زلفِ پرشکن ہے

مجھے معلوم ہے تیرا مچلنا — قریبِ شہر وہ تیور بدلنا

تری اٹھکھیلیوں پر سب ہیں قرباں — تو ہے دل خوش کنِ حیوان و انساں

کدھر ناز و ادا سے جا رہا ہے — بتا تو منزلِ مقصود کیا ہے

بغل میں لے چلا ہے کیا چھپا کر — گرہ میں تو نے کیا باندھے ہیں گوہر

ترے دم سے ہی قائم ہے سمندر
تیری بخشش رہا کرتی ہے اس پر

ہے خاصیّت تری دینا دلانا
سمندر میں خزانہ جا ملانا

مگر ڈر کیا ہے دل کھول اور دئے جا
عطیوں سے کہیں بڑھ کر لئے جا

کہ ہیں چشموں کو تجھ سے خاص اُلفت
ہے اس درگہ سے تجھ پر فیض و رحمت

نہ کیوں دِل سے ہوں قرباں تجھ پہ بادل
نہ دیں کیونکر تجھے سرمایۂ بادل

قبائے برف میں تھے کوہ مستور
مگر خاطر تری تھی ان کو منظور

تری بخشش کا تھا کافی اشارا
لباس اپنا تری خاطر اتارا

جبھی یہ مُسکراہٹ یہ تبسّم
یہ چلتے جاتے گانا یہ ترنم

عروسانِ چمن پر ہے یہ جوبن
لدا زیور سے ہے گلشن کا گلشن

زرِ گل میں بھی ہے خوبی نہاں آج
ہُوئے ہیں مات گلہائے جناں آج

گُلِ لالہ ہے جامِ بزمِ گلزار
مئے شبنم کا ہے خورشید میخوار

یہ جادو چشمِ نرگس میں بھرا ہے
کہ دِل قابو سے نکلا جا رہا ہے

کسی سے آرزو سے گفتگو ہے
کہ بیٹھی عندلیب خوش گلو ہے

ہر اک سورج مکھی سے ہے یہ کہتا
تو ہی سورج ہے چرخِ گلستاں کا

کھلے ہیں نافہ ہائے صحنِ گلزار
مہک سے ہے چمن ہم چشمِ تاتار

ادائیں دلربا اور پیاری صُورت
تری شان اللہ اللہ تیری شوکت

مشامِ جاں کو کرتا ہے معطّر
سکوں پاتا ہے تجھ سے قلبِ مضطر

تری نکہت کی آوارہ صبا ہے
سخاوت ہی ترا اک مُدعا ہے

خزانے کی ہے افزائش عطا سے — بنیں پتھر گہر اس کیمیا سے
یہ بخشش ہوتی جاتی ہے پرائی — یہی ہے پر ترے حق میں بھلائی
کہ ہر دم اک نئی عادت ہے تیری — عجب نکہت عجب فرحت ہو تیری
زمیں کرتی ہے پُر تیرا خزانہ — عطیوں کا نہیں ہے کچھ ٹھکانا
ہوا کو صدقِ دل سے تو دُعا دے — کہ شمعِ زندگی قائم ہے اِس سے

حیاتِ تازہ پانی سے ہے پائی
بہارِ جاوداں تجھ میں ہے آئی

انہیں دلکش نظاروں کے ہو قرباں — سبق قدرت سے کچھ تو سیکھ ناداں
محبت کا خزانہ تو لٹا دے — یہ سرمایہ کسی کو دے دلا دے
گُلِ بخشش کی کر تو گل فشانی — کہ ہو عمرِ رواں میں شادمانی
سخاوت سے تو بھر لے ساغرِ دل — کہ یہ مے ہے کسی میکش کو حاصل
دیئے جا اور نہ گھبرا بانٹنے سے — جو کچھ ہے کر دے اَوروں کے حوالے
اِسی نقصاں میں مخفی فائدہ ہے — یہ دُکانِ جہاں کا قاعدہ ہے
عوض کا نام گویا بھول جا تو — نہ رکھ مطلق خیالِ فائدہ تو
خزاں ہے دُور تیرے گلستاں سے — یہی بخشش بچائے گی زیاں سے

دُعا میں میری گر کچھ بھی اثر ہو
ہمیشہ نخلِ بخشش بارور ہو

(ترجمہ از انگریزی) — **بیتاب** دہلوی

تقریظ

ترجمۂ رباعیاتِ حالی مترجمہ مسٹر جی۔ اے وارڈ ایم۔ اے پنشنر آئی سی ایس)

الا اے ساقیِ صہبائے معنی
بہت بے کیف ہیں نوشیدۂ معنی

رہوں آخر یونہی ناکام کب تک
نہ دیگا روح پرور جام کب تک

سخن فہم اور نہ ہے کوئی سخن سنج
ہوں تنہا کنجِ عزلت میں سخن سنج

خمارِ بادۂ لطفِ شبانہ
ہوا ہے سرگرانی کا بہانہ

وہ مے دے دور جس سے دردِ دل ہو
وہ دارو دے کہ اقرب بھی خجل ہو

وہ مے دے جو کہ ہو صاف اور بخشش
کرے جو صیقلِ مرآتِ دانش

وہ مے اعشیٰ و اخطل پیتے تھے جو
وہ مے سحبان و وائل پیتے تھے جو

وہ مے جس مے کا خاقانی تھا خمار
وہ مے جس مے سے کاشانی تھا سرشار

وہ مے دے پی چکا ہے جسکو سعدی
جو ہے فردوسی و حافظ کی جھوٹی

جسے پیتے تھے اکثر میر و مرزا
تبرک جانتے تھے میر و انشا

وہ مے رکھتی تھی جو غالب کو سرمست
وہ غالب فکر سے جسکی فلک پست

خلف کیسے وہ فخرِ سلف تھا
دوات اسکی تھی اور تھا خامہ اسکا

الا اے خواجۂ ما خواجہ حالی
زند تخم پایہات گردد نہ خالی

ترے دم سے ہے رونق سخن میں
ہے تجھ سے تازگی حرفِ کہن میں

دکھا دی شاعری کی اک نئی راہ
کہ تا آیندہ نسلیں ہوں نہ بے راہ

نہ کیونکر اس خوشی سے شادماں ہوں
سخن میں میں بھی تیرا ہم زباں ہوں

خم و خمخانہ و ساغر کا قصہ
خبر لے ساقیِ کوثر کا قصہ

کہاں میں اور کہاں وہ خشتستاں
کہاں بلبل کہاں شورِ دبستاں

نہ وہ صحبت نہ وہ احباب ہیں یاں
نہ دلچسپی کے کچھ اسباب ہیں یاں

میں ہوں ہی خمخانۂ ناسخ کا خمار
مجھے ہے آتشِ سیال درکار

وہ مے دے جو کہ ہو پروردۂ ذوق
کہ دل میں شعلہ زن ہو آتشِ شوق

وہ مے طالب ہے جسکا محرمِ راز
وہ مے پیمانہ جسکا ہے خدا ساز

وہ مے دے جسپہ تھا خیام کو ناز
وہ مے جس سے ہو کشفِ سرِ مے راز

وہ مے جس مے کا متوالا تھا جامی
وہ مے جس مے پہ عاشق تھے نظامی

وہ مے جو تھی خمِ خسرو میں باقی
ولی اللہ تھا جس مے کا ساقی

وہی مے ذوق کو تھا ذوق جسکا
وہ مے مومن کو بھی تھا شوق جسکا

جو غالب نازشِ ہندوستاں تھا
جو غالب تاجِ فرقِ شاعراں تھا

اسی غالب کا حالی جانشیں ہے
سپہرِ نظم کا ماہِ مبیں ہے

چہ گویم من چنینی یا چنانی
کہ گویم ہرچہ بالاتر ازانی

ثنا میں تیری یہ کہنا ہے کافی
کہ تو نے کی گذشتہ کی تلافی

یہ کیا کم ہے کہ تیری فکرِ روشن
ہوئی یورپ میں جا کر پرتو افگن

سنا جب مجھ سے یہ افسانۂ شوق
دیا ساقی نے اک پیمانۂ شوق

بہت افسردہ خاطر گرچہ تھا میں	اُسے پیتے ہی لیکن جی اٹھا میں	نہ تھا وہ بادہ لیکن آتشِ تر	نہ تھی لیکن وہ مے صہبائے خُلّر
نہ تھا وہ بادۂ آبِ ترنگالی	نہ تھی وہ مے شرابِ پامچالی	نہ تیزی تھی نہ وسکی تھی نہ رم تھی	زباں سے کیا کہوں میں لذت اسکی
تھی وہ مے طاہر صافی و بے کیف	مے کوثر کی ثانی بے کم و کیف	کہوں کیوں بادۂ کوثر کی ثانی	وہ تھی افشردۂ روحِ معانی
وہ قطرہ ریزشِ زخمِ جگر تھے	کہ حالی کی ریاضت کے ثمر تھے	ثمر وہ جو دوائے علتِ جہل	اثر سے جس کے ہوں نا اہل بھی اہل
اور اس صہبائے جاں پرور کا ساقی	ہے یورپ کی مثالِ خوش مذاقی	یہ تحفہ وارڈ کا بھیجا ہوا ہے	یہ جامِ بادۂ خُذ ما صفا ہے
مرے امکاں سے ہے یہ بات باہر	کہ تعریف اسکی میں لاؤں زباں پر	مترجم نے جو دی ہے دادِ تحقیق	ہے اسکی اہلِ یورپ ہی کو توفیق
انہیں کا کام ہے دانش پرستی	انہیں پر رحمتِ حق ہے برستی	انہیں کو دی ہے حق نے یہ کرامت	بنا دیتے ہیں ہر رائی کو پربت
یہی ہیں آج حلّالِ دقائق	انہیں پر وا ہیں ابوابِ حقائق	یہی ہیں قدرداں علم و ادب کے	یہی ہیں راہبر راہِ طلب کے
یہی ہیں جوہری دُرِّ شرف کے	پرکھنے والے ہیں لعل و خذف کے	یہی ہیں فاتحِ بابِ فضیلت	یہ ہیں دنیا میں اربابِ فضیلت
انہیں کا ہے عمل خُذ ما صفا پر	خذف ریزوں سے چن لیتے ہیں جوہر	نمونہ جس کا اک یہ ترجمہ ہے	جو انگریزی میں اُردو کا ہوا ہے
مصنف شمس چرخِ علم و دانش	مترجم فخرِ دانایانِ انگلش	مترجم یہ رباعیاتِ حالی	ہیں گویا گنجِ یاقوت و لآلی
یہ ہے اس ترجمے میں خاص خوبی	کہ مثلِ اصل ہے ترتیب رکھی	معانی من و عن سمجھا دیے ہیں	مطالب مو بمو سمجھا دیے ہیں
پھر اس پر شرح ہے نورٌ علیٰ نور	ہیں جس سے آشکارا رمزِ مستور	لکھے ہیں جو تلفظ کے قواعد	نہیں پوشیدہ کچھ اُن کے فوائد
گر انگریزی میں ہوجائیں مراجع	تو نکلینگے بہت اچھے نتائج	غلط ہونے نہ پائیگا تلفظ	سمجھ میں جلد آئیگا تلفظ
لکھی ہیں مختصر تلمیحیں جتنی	ہر اک تحقیق پر اُنہیں سے ہے بنی	عروضی وزن میں دیے ہیں	فرنگی جس میں موزوں شعر پڑھ لیں
غرض جو بات ہے وہ قابلِ داد	بجا ہے چشمِ خوباں سے ہو گر صاد	بس اے ضامن قلم کو روک اب کر	سخن کو ختم کر شکرِ عطا پہ

ضامن کنتوری

غزلِ بُخاریہ

گذشتہ ششماہی میں مَیں نہایت عدیم الفرصت رہا۔ سُوءِ اتفاق یا حسنِ اتفاق سے چند روز بُخار آگیا اور فرصت کا وقت نکل آیا۔ جن لوگوں کو بُخار کی بیماری اور شعر گوئی کی بیماری کا تجربہ ہے وہ بخار کی اس عجیب تاثیر سے واقف ہونگے کہ ۹۹ درجہ سے لیکر ۱۰۱ درجہ تک کا بخار شعر گوئی کے لئے بہت موزوں ہے۔ غرض عین بخار کی حالت میں جبکہ حضورِ قلب کا وقت تھا۔ مندرجہ ذیل غزل تصنیف ہوئی۔ تیماردار سے کاتب کا کام لیا گیا اور بعدِ صحت کسی قسم کا تصرف اس میں نہیں کیا گیا۔ اس غزل کے مُلاحظہ سے معلوم ہوگا کہ تکلیف کی وجہ سے حُسنِ کشمیر کی نسبت بقولِ شخصے میر "نکتہ خیال" بالکل بدل گیا۔ مگر اس خیال کی تہ کو پہنچنے کے لئے پہلے بخار کی کیفیت سے منکشف ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ع کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا (احقر ناظر)

خارِ غم اچھا ہے افسانۂ یار اچھا ہے
حُسنِ گل اچھا نہ پیغامِ بہار اچھا ہے

اپنی ٹانگوں کے ہی بل پر ہے مزا چلنے کا
گرچہ کہتے ہیں کہ پیدل سے سوار اچھا ہے

بے حیا شوخ ستمگار فریبی بدعہد
پانچوں عیب اس میں ہیں یہ یاروں کا یار اچھا ہے

حاصلِ عمرِ جوانی تھی سو دیوانی تھی
اپنی ہستی کے تو دریا کا اُتار اچھا ہے

تندرستوں کو مُبارک ہو شگوفے کا جمال
دلِ پژمردہ کو یہ کلبۂ تار اچھا ہے

جا برس دیس میں جا کہیں بے دردوں کے
اپنے اشکوں کا سماں ابرِ بہار اچھا ہے

اپنی سنگت سے بچھڑ کر ہوئے حیرانِ حق
دشت کی راہ میں اُشتر بہ قطار اچھا ہے

المدد یا عزیزاں کہ ہوا دِل بے کل
جو مصیبت میں خبر لے وہی یار اچھا ہے

گرچہ جنّت ہو بُری ہے یہ غریب الوطنی
جو جہنم بھُوم ہو اپنا وہ دیار اچھا ہے

خاکِ کشمیر ہے گلریز پر اے پیارے وطن
تیری گلیوں کا ہمیں گرد و غبار اچھا ہے

اپنے پیپل کے وہ پتوں کا بجانا تالی
تیرے سرپنجہ سے اے شاخِ چنار اچھا ہے

رس بھرا آم ہمارا وہ بہشتی میوہ
سیب و رُماں سے ترے ذائقہ دار اچھا ہے

ہمصفیروں سے ملے اس کی بدولت آخر
تندرستی سے تو ناظر کا بخار اچھا ہے

کہ رہے تھے سرِ رہ دلّی کے روڑے ناظر
شعر کے فن سے تو واقف یہ گنوار اچھا ہے

ناظر

تازہ غزلیں

ملا کنجِ قفس مجھ کو نہ صحنِ گلستاں مجھ کو
گرایا آسمانِ بے مروت نے کہاں مجھ کو!

بنایا کس کی چشمِ سُرمگیں نے رازداں مجھ کو
کہ خود دینے لگی تعلیمِ خاموشی زباں مجھ کو

دھواں اُٹھتا ہے دل سے کوئی بیٹھا ہے کلیجے میں
بتا یوسف کا دیتا ہے غبارِ کارواں مجھ کو

اسیری ہے نصیبوں میں اُسی دن سے میں سمجھا تھا
کہ محوِ بیخودی کرنے لگا ذوقِ فغاں مجھ کو

ترے جلوے سے ہے آئینہ دل طوطیِ بسمل
نظر آتی ہے گویا آتشِ صد خانماں مجھ کو

الٰہی گر نہ ذوق انگیز ہو لذّت اسیری کی
نگہ صیّاد کی ہو جائے برقِ آشیاں مجھ کو

تری نظروں سے گر کر ہو گیا فارغ زمانے سے
نہ چشمِ سود ہے مجھ کو نہ پروائے زیاں مجھ کو

تماشائے چمن کیا میرے ہی حصّہ میں آیا ہے
نگاہِ رشک سے کیوں دیکھتا ہے باغباں مجھ کو؟

نہ اُٹھ جائے کہیں دل سے توقّع تیرے آنے کی
چلا ہے چھوڑ کر پیماں شکن تو نیمجاں مجھ کو

بنا سر تا قدم میرا زیارت گاہِ حیرانی
اسیرِ تازہ ہوں آتی نہیں طرزِ فغاں مجھ کو

غلام معتقد ہوں وحشت اس صاحب مروّت کی
نصیبوں سے ملا ہے آج شمس نکتہ داں مجھ کو

(رضا علی وحشت از کلکتہ)

واقف نہیں ہیں روز کی چینِ جبین سے کیا؟
زخمِ جگر کی داد بھی لینگے تمہیں سے کیا؟

انکارِ گریہ پر مرے کس ناز سے کہا
آنسو نہیں تو پونچھتے ہو آستیں سے کیا؟

سینے سے ڈھل رہا ہے دوپٹہ جو بار بار
یہ تو بتا اُٹھیگی قیامت یہیں سے کیا؟

جس خاک میں ہُوں چاند کے ٹکڑے ہزارہا
نسبت ہے آسمان کو پھر اُس زمیں سے کیا؟

مٹی کی مورتوں میں بھری ہیں یہ شوخیاں
شاعر تجھے گلہ نہیں حسن آفریں سے کیا؟

آغا شاعر قزلباش دہلوی

زمانہ دوسرا ہے آشنا بیگانہ کہتے ہیں
اب اس کا نام الفت ہے۔ اسے یارانہ کہتے ہیں

نہیں یہ شاخِ گل پر زمزمہ سنجی عنادل کی
تیری قدرت۔ تیری صنعت کا سب افسانہ کہتے ہیں

خدا کا گھر ہے جو مسکن ہے سب رازِ محبت کا
تعجب ہے کہ ایسے دل کو سب ویرانہ کہتے ہیں

بُرا ہو۔ یا بھلا ہو۔ خیر۔ دلسوزی تو ظاہر ہے
میں سُن لیتا ہُوں جو کچھ ناصحِ فرزانہ کہتے ہیں

اُنہیں ہے شوق سُننے کا یہاں کب تاب کہنے کی
کلیجہ تھام کر ہم اس لئے افسانہ کہتے ہیں

تحمل چاہیئے یہ بھی ادا ہے اُس ستمگر کی
تغافل کو بھی اکثر نازِ معشوقانہ کہتے ہیں

مآلِ سرخوشی اس میکدے میں تلخ کامی ہے
نہ سمجھے کوئی لیکن یہ لبِ پیمانہ کہتے ہیں

جو خُم کی خیر ہے منظور۔ تو ساقی سے بیعت کر
فقیر مست ہیں یہ بات آزادانہ کہتے ہیں

لکھی ہے سوزِ غم کی مختصر سی سرگذشت اُسمیں
وہ عبرت نامہ ہے جس کو پرِ پروانہ کہتے ہیں

نہ سمجھے میری وحشت کو۔ یہ کس صورت کی وحشت ہے
غضب ہے۔ ہوش والے بھی مجھے دیوانہ کہتے ہیں

رہے ثابت قدم سجّاد آفت میں مصیبت میں
جو سچ پوچھو تو اس کو ہمتِ مردانہ کہتے ہیں

(سجّاد دہلوی عظیم آبادی)

صاحبان - آپ ہماری ادویات کی آزمائش ایک مرتبہ ضرور کریں - اگر ہماری تحریر
پر اعتبار نہیں ہے - تو آپ مہربانی کرکے پہلے نمونہ ہی منگوا کر آزمائش کر لیں - اگر ہمارا دعوے
سچ نکلا تو آیندہ بھی اعتبار رکھیے -

بل بدہی پوشٹک چورن

یہ چورن فقط بڑی بوٹی کے اجزا سے تیار کرایا گیا ہے - اسکے استعمال سے ہر ایک
قسم کی جسمانی کمزوری دور ہو جاتی ہے اور خاصکر دماغی کام کرنیوالوں کے لیئے
بہت مفید ہے قیمت چالیس یوم کیلئے دو روپیہ نمونہ دس یوم کیلئے ۸/ اگر اسکے
ساتھ ہمارا پرش ہتکارک تیل استعمال کیا جاوے تو ہر ایک قسم کی کمزوری کی شکایت
رفع ہو جاتی ہے تہذیب زیادہ تشریح کی اجازت نہیں دیتی - ایکدفعہ تجربہ کر
دیکھیں موافق ہو تو زیادہ منگوائیے قیمت ایک اونس کی شیشی کی عہ نمونہ ۴/

سارٹیفکیٹ :- (۱) بابو شگن چند صاحب ہیڈ کلرک اکاونٹنٹ یو ... لکھتے ہیں
مانیہ ور پنڈت جی نمستے - آپکے بل بدہی پشٹک چورن سے میرے سر کو بہت آرام ہے لہذا نصف ڈبہ ارسال فرمائیں
(۲) بابو امرت لعل رائے صاحب ایڈیٹر اخبار ٹریبیون لاہور لکھتے ہیں پنڈت ہیمراج ویدکا بل بدہی پشٹک دماغ کو طاقت
دینے والی رسائن استعمال کیا ہے اور اسکو مغز کی تھکاوٹ ضعف بصارت اور کئی دیگر امراض میں جو دماغ کے
ذلیل ہو جانے سے پیدا ہو جاتے ہیں بہت مفید پایا - پنڈت صاحب کے بسنتی تیل کو میرے ایکدوست نے ایسی
پرانی مرض میں استعمال کرکے شفا پائی جس میں اور علاج ناکارہ ثابت ہو چکے تھے -
(۳) اخبار عام - ۲۳ فروری ۱۹۰۷ء - پنڈت ہیمراج صاحب وید نے ہمارے پاس بل بدہی
پشٹک چورن ارسال فرمایا ہے - یہ چورن خاص کر امراض مثانہ کیلئے اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے - اس
چورن کی خوبی صرف استعمال سے معلوم ہو سکتی ہے - جبکہ یہ روزانہ استعمال سے چہرہ پر جولانی لاتا ہے
رخسار کو مانند انار کے سرخ کرتا ہے اور بدن روز بروز پھرتیلا اور پر گوشت سڈول ہو جاتا ہے اگر
اس چورن کا باقاعدہ استعمال کیا جاوے تو ان کو کبھی بھی پیشاب اور طاقت جسمانی کی کوئی بیماری
لاحق نہ ہو استعمال کرنا فرض ہے قیمت فی بکس ۲ عہ نمونہ دس روز کے لیئے ۱۰/

المشتہر - پنڈت ہیمراج وید وشارد - لوہاری منڈی لاہور

وکیل اور زمیندار کا قصہ

کسی گاؤں میں ایک سادہ لوح وغریب زمیندار برنارڈ نامی رہا کرتا تھا۔ ایکدن اسکو شہر جانیکا اتفاق ہوا جہاں وہ ایک مشہور وکیل سے ملا اور پوچھا کہ مالدار بننے کی کوئی راہ بتلادیں۔ وکیل نے اپنی فیس لیکر ایک بند لفافہ برنارڈ کے حوالہ کیا۔ گھر میں آکر شام کے وقت زمیندار نے لفافہ کھولا۔ تو لکھا تھا

جو کام آج کر سکتے ہو اسکو کل پر مت ڈالو

زمیندار کا ہزاروں من چارہ باہر کھیت میں پڑا تھا۔ فوراً اسکو گھر لاکر مکان کے اندر رکھوا دیا۔ رات کو طوفان آیا اور بارش موسلادھار ہوئی جن لوگوں کا چارہ باہر تھا سب بہ گیا اگلے دن سارے گاؤں میں صرف برنارڈ ہی بشاش تھا طاعون کا طوفان بارش کے طوفان سے بدرجہا خوفناک ہے جو لوگ برنارڈ کیطرح خوش خرم و بیفکر رہنا چاہتے ہوں۔ انکو طاعون کی دوا ہر وقت گھر میں رکھنی چاہئے۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی شخص نے ہماری دوا کا استعمال کیا ہو اور وہ راضی نہوا ہو۔ یا کسی تندرست آدمی نے اسکا تھوڑا تھوڑا استعمال کیا اور وہ طاعون کا شکار ہوا ہو۔

۱۔ دوائی طاعون ہزاروں جانیں بچا چکی ہے قیمت دو روپے فی شیشی۔

۲۔ خضاب مثل تیل چنبیلی کے لگایا جاتا ہے۔ سفید بالوں کو سیاہ بھنورا کرکے اصلی رنگت دیتا ہے بالوں کو ریشم جیسے نرم رکھتا ہے۔ جلد پر داغ نہیں دیتا۔ قیمت دو روپے (عہ)

۳۔ روغن دو گولیاں۔ انکے استعمال سے بال ہمیشہ سیاہ رہتے ہیں اگر سفید ہو گئے ہوں تو بھی آہستہ آہستہ سیاہ ہو جاتے ہیں (عہ)

۴۔ گلگونہ چہرہ کے جھریاں۔ چھائیاں سیاہ داغ وکیل دور کر دیتا ہے خوبصورتی کیواسطے لازمی ہے قیمت (عہ)

۵۔ دوائی بواسیر۔ بواسیر خونی ہو یا بادی۔ مسے اگر ہوں تو بلا تکلیف گم۔ شرطیہ شفا قیمت (عہ)

۶۔ روح النساء عورتوں کی سب بیماریوں کے واسطے اکسیر ہے قیمت (عہ)

۷۔ روغن کان بہرے ہوں بہتے ہوں درد سائیں سائیں طرح طرح کی آوازیں آتی ہوں فوراً آرام ہوتا ہے قیمت (عہ)

۸۔ سرمہ ممیرہ۔ دھند۔ غبار۔ لالی۔ پڑوال۔ پانی۔ جالا۔ ناخنہ وغیرہ کیواسطے اکسیر موتیا کے واسطے مفید۔ امریکہ و جرمنی تک مشہور (عہ)

۹۔ بال اڑانیکا تیل۔ بلا تکلیف و خارش دو منٹ میں بال دور ہوں قیمت فی شیشی (محصول ڈاک بذمہ خریدار)

ملنے کا پتہ:۔ ڈاکٹر کیسر سنگھ ایم اے بکرم ہسپتال فیروز پور شہر (پنجاب)

خاندان حکیماں لاہور کے سینہ بسینہ مجرب نسخے

محصول ڈاک

(کحل بے نظیر یعنی سرمہ بے نظیر)

اگر کسی صاحب کو نزول الماء - دھند - غبار - ککرے - ضعف بصارت وغیرہ کی شکایت ہو - یا آنکھ کے متعلق کسی قسم کی اذیت ہو تو ہمارا سرمہ منگائیں انشاءاللہ کل نقص رفع ہوگا - قیمت فی تولہ دو روپیہ ۲ نمونہ مفت جو صاحب نمونہ منگوانا چاہیں تو محصول ڈاک وغیرہ کے واسطے ۱/ کے ٹکٹ ارسال فرماویں -

شہادتیں ۲۳ - اگست سنہ ۱۹۰۴ء } مشفق مکرمی جناب سید حکیم نادر علیشاہ صاحب السلام علیکم - مزاج شریف - آپ کے مشہور کحل بے نظیر کا میں نے خود بھی امتحان کیا - اور احباب سے بھی اسکی بابت رائے پوچھی - میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ یہ سرمہ اسم بامسمےٰ ہے - دھند - غبار - سرخی چشم کے رفع کرنے میں فوری اثر رکھتا ہے - حکمت اگرچہ آپکا وراثتاً حصہ ہے لیکن اس خاص شوق اور دلچسپی کے باعث جو آپ کو قدرتاً اس فن میں ہے مجھے امید واثق ہے - کہ آپ دن دونی رات چوگنی ترقی کرینگے - والسلام

آپکا مخلص فقیر سید سعید الدین رجسٹرار عدالت خفیفہ لاہور (حال منصف پٹھانکوٹ)

کرمفرمائے بندہ جناب حکیم صاحب دام الطافکم :-

بعد سلام سنت الاسلام واضح رائے شریف ہو - آپ کے کحل بے نظیر کا میں نے استعمال کیا اور اسکو واقعی بے نظیر پایا - مجھکو عرصہ سے ضعف بصر اور غبار و دھند کی شکایت تھی - اور آنکھوں میں پانی بھرا رہتا تھا - بہت سے مختلف اشتہاری سرموں کا استعمال کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا - البتہ آپ کے سرمہ سے آنکھوں کو بہت فائدہ پہنچایا اس میں خاص خوبی یہ ہے کہ روز اول کے استعمال سے ہی آنکھیں صاف غبار اور پانی خشک ہو جاتا ہے - آنکھوں میں قوت بینائی زیادہ ہونے لگتی ہے اسلیئے خواہ مخواہ دل چاہتا ہے کہ ہر روز بلا ناغہ استعمال کیا جاوے اشتہاری دوا کے خریدنے سے جو مایوسی سی دل میں ہوا کرتی ہے - وہ اسکے اول روز کے ہی استعمال سے دور ہو جاتی ہے اور قیمت ادا کردہ کا افسوس نہیں ہوتا اس سرمہ کے روز اول ہی کے استعمال سے مجھے اسقدر فائدہ ہوا ہے - جو دوسرے سرموں کے چالیس دن تک کے استعمال سے نہیں ہوا ہے -

راقمہ نیاز عبدالعزیز کلرک دفتر پوسٹماسٹر جنرل صاحب بہادر پنجاب و نارتھ ویسٹ فرانٹیر پراونس ۳۱ - اگست سنہ ۱۹۰۴ء

پتہ - حکیم سید نادر علی شاہ - بازار حکیمان لاہور پنجاب

حمیدیہ ٹریڈنگ کمپنی شہر سیالکوٹ

آزمودہ اور ...

دانتوں کا منجن

قیمت ـــــ ۸ر

علاوہ محصول ڈاک

ملاکا بید کی خوشنما چھڑیاں

یہ چھڑیاں واقعی نہایت خوبصورت اور نفیس ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے مقبول عام ہو رہی ہیں۔ آپ بھی منگوایئے۔

قسم چھڑی	قیمت
چاندی کی منقش چھڑی پر لٹو نما شام یا بیضوی شام	درجہ اول ... درجہ دوم ...
چھڑی پر جرمن سلور کی شام ہے۔ نہایت ہی عمدہ ہوتی ہے	اول ... دوم ...
پتلی چھڑی چاندی کی منقش لٹو و بیضوی شام بہت ہی نفیس و پائیدار عمدہ رنگ	ایک روپیہ بارہ آنے
جنگ گروپ۔ یہ چھڑی سیر و شکار یا سوٹا کے شائقین اصحاب کے لئے ہیں	... چار روپے

بسٹ سٹیل ٹرنکس (یعنے آہنی صندوق)

آجکل یہ صندوق کچھ ایسے مقبول عام ہوگئے ہیں۔ کہ جس کا اندازہ نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ یہ بڑے درجہ کے پختہ دیرپا ہونیکے علاوہ نہایت ہی خوبصورت اور خوشنما ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ دہلی کے بنے ہوئے صندوق سنگل ٹین کے ہوتے ہیں اسلئے ہمنے خاص سٹیل سے صندوق بنوانے شروع کئے ہیں۔ منگوا کر ملاحظہ فرمایئے قیمت فی انچہ ۳ر جتنے انچہ کا درکار ہو اطلاع دیں۔

لوہے کی چیزوں پر چاندی کا کام

لوہے کے سروتے — ان سے پان کھانیکی سپاریاں کاٹی جاتی ہیں اور سروتہ کا نقشی کو بھلا معلوم ہوتا ہے قیمت ۴ر علاوہ محصول

گریلا نما سر سیدائی قیمت ۸ر

موٹا نما سر سیدائی قیمت ۸ر

آم نما سر سیدائی قیمت ۸ر

ان مرصبہ انیوں پر بھی چاندی کا کام نہایت ہی عمدگی سے کیا ہوا ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہے

عمدہ گھڑیاں

حمیدیہ ٹریڈنگ کمپنی شہر سیالکوٹ سے

منگوائیں۔

مجرب

مصدقہ جناب مسٹر جے جی سلکاک صاحب بہادر سابق ڈپٹی کمشنر لودھیانہ - حال کمشنر راولپنڈی

مجرب

تریاقِ طاعون

ہم نے عرصہ دراز کی جانفشانی کے بعد تریاقِ طاعون ایجاد کیا ہے جو تجربہ سے نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ بطور حفظ ماتقدم اگر استعمال کیا جائے تو مرض طاعون کے حملہ سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ اگر مبتلائے مرض اس کا استعمال کرے تو فوراً بخار فرو ہو جاتا ہے۔ گلٹیاں گم ہو جاتی ہیں دل میں طاقت طبیعت میں بشاشت آجاتی ہے۔ اس دوائی کے استعمال سے نہ قے آتی ہے نہ اسہال ہوتے ہیں۔ پسینہ جو مرضِ طاعون کے لئے بڑی نیک نشانی ہے۔ آجاتا ہے۔ اور مریض بفضلِ خدا صحت یاب ہو جاتا ہے۔ ہر ایک گھر میں چند شیشیاں تریاقِ طاعون کی موجود رہنی چاہئیں۔ تجربہ اس امر کی کافی شہادت ہے کہ تریاق طاعون تحصیل قصور ضلع لاہور میں شروع مرض میں اٹھانوے آدمیوں نے استعمال کیا۔ جن میں سے ۹۰ صحت یاب ہو گئے۔ اور صرف آٹھ آدمی فوت ہوئے۔

قیمت فی شیشی (ع) چھ شیشی (صہ) بارہ شیشی نو روپے۔ محصولڈاک بذمہ خریدار۔ نقل چٹھی نمبری ۵۸۴ از جانب جناب مسٹر جے جی سلکاک صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لودیانہ (حال کمشنر راولپنڈی) مورخہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۶ء۔ جناب من بجواب آپ کی چٹھی مورخہ ۳۱۔ ماہ گذشتہ دربارہ تریاق طاعون۔ میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جن میونسپل کمشنران کو یہ دوائی بھیجی گئی تھی۔ انہوں نے اس کی نسبت عمدہ رپورٹ کی ہے۔ اور چونکہ ان کے بیان کے مطابق شہر لودیانہ میں اس کی مانگ بہت ہے۔ اس لئے بہت اچھا ہوگا کہ انہیں ممبروں کے پاس مفت تقسیم کرنے یا فروخت کے لئے کچھ اور دوائی بھیجدیں۔

دستخط

صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

اصلی ممیرے کا سرمہ

چورن شاہی

سنون مقوی دندان

تریاق النزلہ

المشتہر حکیم محمد شریف آئی ڈاکٹر پروپرائیٹر شفاخانہ عام لاہور

ممیرہ اور سچے موتیوں کا سفید سُرمہ

مصدقہ جناب نامی گرامی ڈاکٹر ڈبلیو آر کراہیپر صاحب - بہادر - ایف سی - ایس - اے - آر - ایس - ایم - فیلو آف کمسٹری لنڈن

جسکی نسبت لنڈن کلکتہ و پنجاب آگرہ میڈیکل کالج کے سندیافتہ معزز ڈاکٹروں نوابوں راجاؤں کے معزز حکیموں و صاحبان بہادر و مجسٹریٹ بہادر و صاحبان ڈپٹی کلکٹران بہادر و معزز یوروپین صاحبان انگریز بہادر وغیرہ نے بعد تجربہ و استعمال کے ہم کو یہ لکھا ہے کہ آپ کا ممیرہ و سچے موتیوں کا سفید سرمہ آنکھوں کی بیماریوں و ترقی روشنی کے واسطے بہت مفید اور سب سے بہتر و نادر دوا ہے کہ جس کے سارٹیفکیٹ بوقت فرمائش آپ کی خدمت میں ہم خود بھیجدینگے - ملک و سس وغیرہ کے معزز ڈاکٹران و حکیم آنکھوں کی بیماریوں میں اور دوا کو چھوڑ کر ہماری اس دوا کو استعمال کرتے ہیں - ہم نے اصلی و عمدہ ممیرہ بڑی تلاش سے ہندوستان کے باہر سے منگایا ہے -

ہمارے سُرمہ کا امتحان اور اس میں جلد کامیابی

نگاہ ناپ کر ہمارا سرمہ لگاؤ دو ہفتے میں روشنی آنکھ کی بہت بڑہ جائیگی اور آنکھ کے جملہ نقص دور ہو جائینگے (۲) عینک کی ضرورت نہیں (۳) دھند - ڈھلکہ - آنسو بہنا - سردی - سوزش - کھجلی - آنکھ کے سامنے کا اندھیرا پلکوں کے اندر کے دانے و سرخی - گوہانجی (۱۳) لکھنے پڑھنے سے آنکھوں کا تکان - درد بہت جلد بشرطیہ رفع کرتا ہے (۱۴) کمزور نگاہ سوئی میں تاگا بہت جلد چھوڑ لیجے - پڑوال - سبل - جالا - پھولی - ابتدائی موتیابند - ناخونہ - ککرے (۲۲) آنکھوں میں سرخ ڈورے پڑجانے کو (۲۳) پلکیں گرجانیوالی بیماری کو مفید ہے - کمزور آنکھ کو قوت دیتا ہے - آنکھوں کا میل اور مواد صاف کرتا ہے اور جملہ امراض سے محفوظ رکھتا ہے - قیمت فی تولہ تین روپیہ ۔

المشتہر - رام سرن نگم - کانپور

(اپنا نام مقام و نام ڈاکخانہ و ضلع خوشخط لکھو ورنہ تعمیل نہ ہوگی -)

چند معززین فلاں قدردانوں کا اطمینان سرٹیفکٹ

(۱) عالیجناب ڈاکٹر ای - ڈی - رو صاحب بہادر آر - ڈی - ایم - پی - لنڈن -

(۲) جناب ڈاکٹر ایچ - پی - بنرجی صاحب ایل ایم ایس - سرجن کلکتہ -

(۳) جناب ڈاکٹر ٹی - این - بنرجی صاحب ایل ایم ایس - اسسٹنٹ سرجن میرٹھ -

(۴) جناب ڈاکٹر الٰہ یار خانصاحب ایس جی سی ہاسپٹل اسسٹنٹ ضلع بجنور -

(۵) جناب ڈاکٹر عبد الصمد خانصاحب ہاسپٹل اسسٹنٹ ضلع کانپور

(۶) عالیجناب شمس العلماء خان بہادر جناب مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب پروفیسر سابق میور کالج الہ آباد -

(۷) جناب مولوی فصیح الدین احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر اسسٹنٹ مہتمم بندوبست کانپور -

(۸) میر حمزہ حسین صاحب بی - اے - بی - ایل سب جج بہادر مقام منگلور -

(۹) عالیجناب مولوی سید صاحب منصف درجہ اول ضلع ہمیرپور -

(۱۰) عالیجناب منشی دھنپت لال صاحب ڈپٹی کلکٹر

(۱۱) عالیجناب مسٹر بین بہاری صاحب مکرجی ایم - اے - ایل ایل بی سیشن جج بہادر گونڈا -

(۱۲) عالیجناب مسٹر لال صاحب رائے صاحب بی - اے - ایل - بی جج خفیفہ بہادر مقام منڈلہ

(۱۳) عالیجناب مسٹر شنکر لال صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ بہادر مقام منڈلہ

(۱۴) عالیجناب مسٹر جی ڈاربی صاحب بہادر ایڈیٹر ناردھ ویسٹ ٹیلیگرافی کانپور -

(۱۵) عالیجناب جی باگ صاحب بہادر انجینیر